"... اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ" (آل عمران: ۷۴) "... عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" (بنی اسرائیل: ۸۰)

ہفت روزہ

انٹرنیشنل

الفضل لندن

مدیر اعلیٰ: رشید احمد چوہدری

شمارہ ۷	جمعہ ۱۸ فروری ۱۹۹۴ء ۷ رمضان ۱۴۱۴ھ	جلد ۱

بشارت دی کہ اِک بیٹا ہے تیرا
جو ہوگا ایک دِن محبوب میرا

کروں گا دُور اس مَہ سے اندھیرا
دکھاؤں گا کہ اِک عالم کو پھیرا

بشارت کیا ہے اِک دل کی غذا دی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

(دُرِّثمین)

ارشادات عالیہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

پیش گوئی درباره مصلح موعود

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو عطا ہونے والا قدرت، رحمت اور قربت کا روشن نشان

سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام "مصلح موعود" کے بارہ میں عظیم الشان پیش گوئی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"خدائے رحیم و کریم بزرگ و برتر نے جو ہر چیز پر قادر ہے (جل شانہٗ و عز اسمہٗ) مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اسی کے موافق جو تونے مجھ سے مانگا۔ سو میں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بہ پایہ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجے سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں سو کرتا ہوں اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے دین اور اسکی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔ سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہو گا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رِجس سے پاک ہے اور وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا، وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہو گا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے اپنے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہو گا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہو گا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مظہر الاول والاخر۔ مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہو گا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہو گا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہو گا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔"

(از اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء، مجموعہ اشتہارات جلد اول، روحانی خزائن صفحہ ۱۰۰ تا ۱۰۲)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ایک غیر مطبوعہ خط سے ایک اقتباس
جو آپ نے اپنے عہد خلافت کے ابتدائی سالوں میں ایک احمدی دوست کو
اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا۔

میرے نزدیک یہ بات عین ممکن ہے کہ خوشامد پسند لوگوں کی صحبت سے ایک انسان غلطی کھا جائے لیکن یہ بھی ساتھ ہی ممکن ہے کہ حقیقت کا اظہار کرنے والے لوگوں کو خوشامدی سمجھ لیا جائے۔ دونوں باتیں ہمیں دنیا میں نظر آتی ہیں۔ اور پھر وہی طریق اختیار کرنا پڑتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان امور میں امتیاز کرنے کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

تجربہ بے شک علم سے الگ ہستی رکھتا ہے اور ایک نہایت ضروری شے ہے جس کے بغیر انسان دھوکہ کھا جاتا ہے لیکن میرا معاملہ تو بالکل برعکس ہے۔ میرے پاس تو علم نہیں بلکہ تجربہ ہی تجربہ ہے۔ علم نہ کسی نے پڑھایا نہ ہی میں نے پڑھا۔ نہ علوم جدیدہ کا سند یافتہ ہوں نہ علوم قدیمہ کا ماہر۔ جو کچھ پاس ہے محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور حال کے ملتا ہے قال کے میدان میں کبھی داخل نہیں ہوا۔ بعض دفعہ خود بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کیا کہہ رہا ہوں یکدم آسمان سے نور نازل ہوتا ہے۔ اور وہ بات جو سب سے مخفی ہوتی ہے اور خود مجھ سے بھی مخفی ہوتی ہے وہ غیب سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

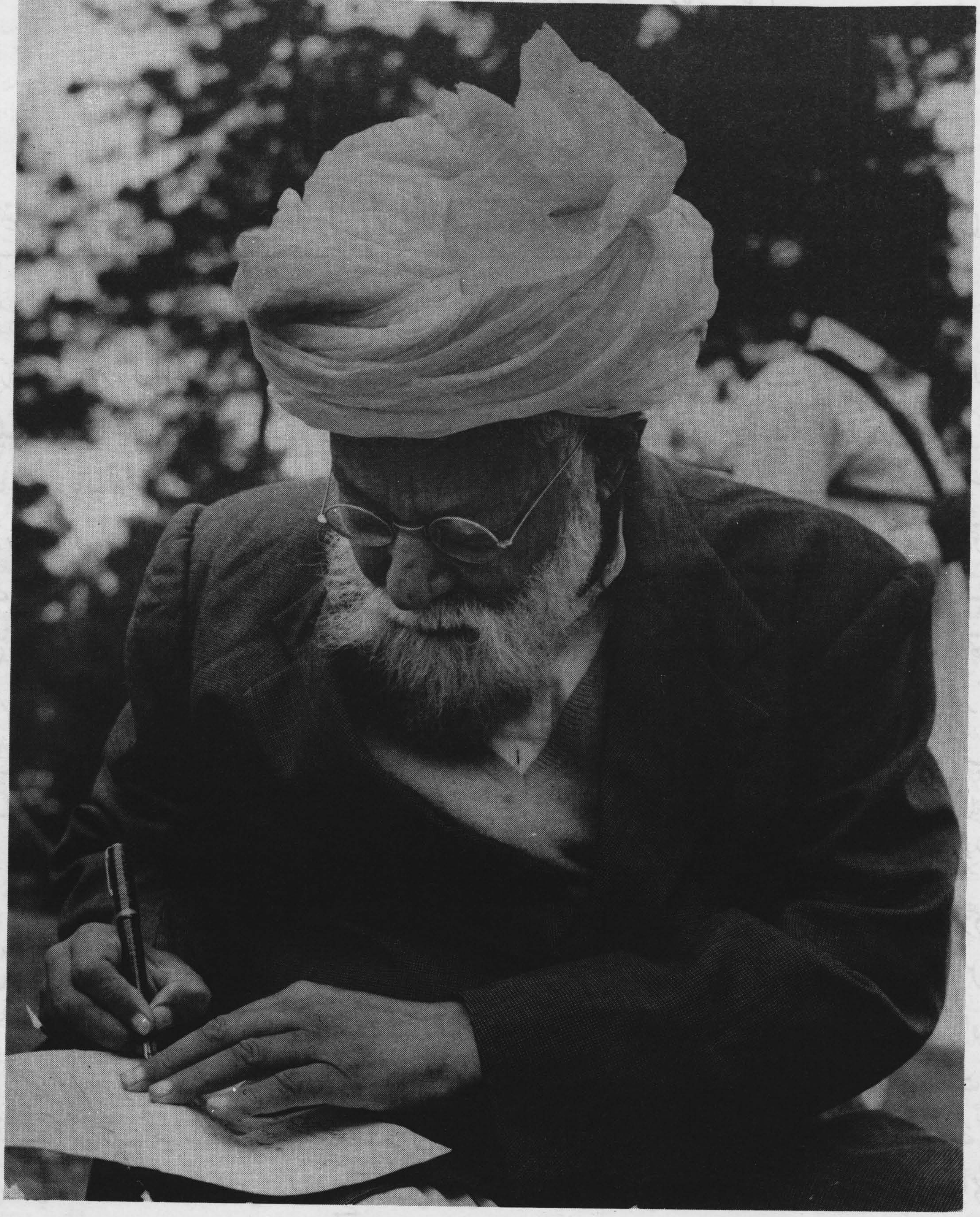

شبیہ مبارک سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود

رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ جو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پُرعظمت پیشگوئی ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے مطابق ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو تولد ہوئے اور ایک طویل عمر پاکر اپنے پُرشوکت کارناموں کو انجام دیتے ہوئے علوم ظاہری و باطنی کے ایسے خوشنما خزانے انڈیل گئے ہیں کہ مخلوقِ خدا ان بیش قیمت خزانوں سے قیامت تک استفادہ کرتی رہے گی ؎

اِک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ
مِلت کے اِس فدائی پہ رحمت خُدا کرے

(کلامِ محمودؓ) (ایڈیٹر)

"... اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ" (آل عمران: ۷۴) "... عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" (بنی اسرائیل: ۸۰)

ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل لندن

جلد ۱	جمعہ ۱۸ فروری ۱۹۹۴ء ۷ رمضان ۱۴۱۴ھ	شمارہ ۷

نائب مدیران۔ منیر احمد جاوید۔ عبدالماجد طاہر

مکمل پتہ

۱۶۔ گریسن ہال روڈ۔ لندن۔ ایس ڈبلیو ۱۸۔ ۵ کیو ایل۔

16, Gressenhall Road, London. SW18 5QL. U.K

Phone/Fax.081.870.0919

دیکھو میرے دوستو!
اخبار
شائع ہو گیا
(الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ ۱۱ فروری ۱۹۰۶ء)
(حروف ابجد کے مطابق اس الہام کا حساب لگایا جائے تو سال ۱۹۹۴ء بنتا ہے)

اداریہ

رمضان المبارک کے آغاز سے ہی بفضل خدا مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ باقاعدگی کے ساتھ پانچ نمازوں کے اوقات پر مسنون اذان بلند کر کے اللہ کے بندوں کو اس کی عبادت کی طرف بلا رہا ہے۔ لیکن نماز کے اوقات یورپ یا دنیا کے کسی اور علاقہ کے مطابق نہیں بلکہ جماعت احمدیہ کے ہیڈ کوارٹر ربوہ کے اوقات کے ساتھ منسلک کئے گئے ہیں ورنہ زمین تو ہر وقت حرکت میں ہے اور ہر لحہ کسی نہ کسی جگہ، کسی نہ کسی نماز کا وقت شروع ہو چکا ہوتا ہے۔

ربوہ شہر کے ساتھ اذان کے وقت کو منسلک کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ربوہ دنیا بھر میں وہ مظلوم شہر ہے جس کے ننانوے فیصد احمدی باشندوں کو ۲۶ اپریل ۱۹۸۴ء سے لے کر آج تک ملکی قانون کے ذریعہ جبراً نمازوں کے اوقات میں اذان دینے سے روک دیا گیا تھا۔ یہ ظالمانہ قوانین رسوائے زمانہ آرڈیننس نمبر ۲۰ کے ذریعہ آنجہانی ڈکٹیٹر ضیاء الحق نے جاری کئے تھے جن کو پاکستان کے آئین میں شامل کر کے قانون کا مستقل حصہ بنا دیا گیا تھا۔ ان خلاف شریعت اور خلاف انسانیت قوانین میں ایک یہ بھی تھا کہ احمدی اپنی مساجد کو "مسجد" کا نام نہیں دے سکتے اور نہ ہی اذان دے سکتے ہیں۔ اس طرح اس تمام عرصہ میں اہالیان ربوہ کے دل خون ہوتے رہے۔ خصوصیت کے ساتھ رمضان المبارک کے ایام میں تو یہ دکھ اور بھی ناقابل برداشت ہو جاتا تھا مگر وہ انتہائی صبر کے ساتھ یہ دکھ برداشت کرتے رہے اور ہر سال روزے گھڑیوں کے اوقات دیکھ کر رکھتے رہے اور گھڑیوں کی سوئیوں کو دیکھ کر ہی کھولے جاتے رہے۔

مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ نے یہ قدم ان مظلومین کے نام پر، ان کی دلداری کی خاطر اٹھایا ہے۔

دنیا یہ بات سن کر تعجب کرے گی کہ اذان میں جماعت احمدیہ کون سے بھیانک الفاظ استعمال کرتی ہے جس پر حکومت پاکستان کا قانون اس غضب کے ساتھ حرکت میں آیا ہے۔ اس لئے اذان کا ترجمہ بھی ہر اذان کے بعد نشر کیا جائے گا اور تمام رمضان میں یہ دستور اسی طرح جاری رہے گا تاکہ دنیا بھر کے لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ پاکستانی علماء کی احمدیوں کی اذان کے کونسے الفاظ سن کر شدید دل آزاری ہوتی ہے اور وہ یہ بات برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی احمدی مسلمان اللہ کی توحید کا نام بلند کرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اعلان کرے۔

یہ اعلان دنیا کی مختلف زبانوں میں وقتاً فوقتاً کیا جا رہا ہے۔ ان زبانوں میں اردو، انگریزی، بنگلہ، عربی، فرنچ، جرمن، ڈچ، جاپانی، چینی، سپینش، رشین، بوزنین، ہندی، ٹرکش، سواحیلی، یوروبا اور گجراتی شامل ہیں۔

مصلح موعود کا مصداق کون ہے؟

(شیخ مبارک احمد۔ امریکہ)

بیس فروری کی مبارک تاریخ کی آمد آمد ہے۔ یہ وہ مبارک اور عظیم تاریخی دن ہے جس دن خدا کے مقبول اور محبوب مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک عظیم پیش گوئی کا اشتہار کے ذریعہ اعلان فرمایا۔ حق تو یہ ہے کہ یہ عظیم پیش گوئی ایک عظیم المرتبت نشان ہے۔ ایسا نشان جو ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منجانب اللہ ہونے کا اہم معیار اور مصلح موعود اور فرزند موعود کی صداقت کی زبردست دلیل ہے۔ مصلح موعود سے تعلق رکھنے والی پیش گوئی جو غیب مصفا پر مشتمل ہے دراصل یہ پیش گوئی کئی پیش خبریوں پر مشتمل ہے اور ان میں سے ہر ایک مصلح موعود کے مبارک وجود میں پوری ہوتی ایک عالم نے مشاہدہ کی۔ ان سطور میں اس وقت یہ بتانا مقصود ہے کہ اس پیش گوئی کا مصداق کون ہے؟۔ پیش گوئی میں بیان کردہ علامات اور خدائے ذوالجلال کی بتائی ہوئی خبر واضح طور پر ثابت کرتی ہے کہ اس پیش گوئی کے مصداق سیدنا حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد رضی اللہ عنہ تھے۔ ملاحظہ فرمائیں پیش گوئی میں بیان کردہ یہ الفاظ جو خدا تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ مامور سے فرمائے:۔

۱۔ "....تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک ذکی غلام تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہو گا..... فرزند دلبند گرامی ارجمند"۔

(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

۲۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:۔

"ہم جانتے ہیں کہ ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی نو سال کے عرصہ تک ضرور پیدا ہو گا۔ خواہ جلد ہو یا دیر سے۔ بہرحال اس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائے گا۔"

(اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء)

۳۔ "مصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا۔ نیز دوسرا نام اس کا محمود۔ تیسرا نام اس کا بشیر ثانی بھی ہے اور ایک الہام میں اس کا نام فضل عمر ظاہر کیا گیا ہے۔"

(سبز اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء)

۴۔ "میرا پہلا لڑکا جو زندہ موجود ہے ابھی پیدا نہیں ہوا تھا جو مجھے کشفی طور پر اس کے پیدا ہونے کی خبر دی گئی اور میں نے مسجد کی دیوار پر اس کا نام لکھا ہوا پایا کہ "محمود"۔ تب میں نے اس پیش گوئی کے لئے سبز رنگ کے ورقوں پر ایک اشتہار شائع کروایا۔ تاریخ اشاعت یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے"۔

۵۔ پھر خدا کے برگزیدہ مامور مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تالیف سراج منیر میں لکھا۔

"سبز اشتہار میں صریح لفظوں میں بلا توقف لڑکا پیدا ہونے کا وعدہ تھا۔ سو محمود پیدا ہو گیا۔ کس قدر یہ پیش گوئی عظیم الشان ہے"۔

(سراج منیر۔ ۳۱)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک فرزند موعود اور مصلح موعود کے مصداق حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد رضی اللہ عنہ تھے۔ لیکن مزید اہم ثبوت واقعات کی تصدیق ہے۔ واقعات ایسے ملے ہیں جو واضح طور پر اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ مصلح موعود کی پیش گوئی کے مصداق حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمدؓ ہیں۔

اول نو سال فرزند موعود کے پیدا ہونے کی میعاد مقرر کی گئی تھی کہ بہرحال اس عرصہ میں ضرور پیدا ہو گا۔ سو آپ اس عرصہ کے اندر آپ پیدا ہوئے۔

دوم آپ کا نام محمود رکھا گیا اور دکھایا گیا تھا کشف میں کہ یہ نام مسجد کی دیوار پر لکھا ہوا ہے۔ مسجد سے مراد جماعت ہوتی ہے۔ جس میں یہ اشارہ تھا کہ جماعت کی امامت کا منصب آپ کو عطا ہو گا۔ واقعہ اس کی تصدیق کر رہا ہے کہ ۱۹۱۴ء میں آپ کو جماعت احمدیہ کی امامت سے نوازا گیا۔

سوم مزید الہام میں اس کا نام "فضل عمر" بتایا گیا۔ آپ کی زندگی کے واقعات واضح طور پر ثابت کرتے ہیں کہ آپ کو حضرت عمرؓ والی فضیلت بخشی گئی اور حضرت عمرؓ کی متعدد خصوصیات سے آپ کو بہرہ ور کیا گیا۔ ملاحظہ فرمائیں ان خصوصیات اور فضائل کو۔

(۱)۔۔ حضرت عمرؓ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے خلیفہ راشد تھے۔ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمدؓ کو بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے خلیفہ راشد ہونے کا منصب جلیلہ عطا فرمایا۔

(۲)۔۔ حضرت فضل عمرؓ کے زمانہ خلافت میں اسلام کو کئی قسم کو تقویت حاصل ہوئی۔ جماعت احمدیہ کی تنظیمی، تبلیغی اور تربیتی لحاظ سے کئی رنگ میں خصوصی تقویت حاصل ہوئی اور عالمگیر شہرت نصیب ہوئی۔ اور جماعت کی مضبوطی کا ذریعہ بنے۔

(۳)۔۔ جن واقعات اور سانحات کا سامنا حضرت عمرؓ کو کرنا پڑا ان سانحات کا حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمدؓ کو بھی سامنا کرنا پڑا۔ تاریخ ان سب واقعات اور سانحات کی تصدیق کرتی ہے۔

اول۔۔ جس دن حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا وہ بدھ کا دن تھا۔ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمدؓ پر دس مارچ ۱۹۵۴ء بروز بدھ قاتلانہ حملہ ہوا۔

دوم۔۔ حضرت عمرؓ پر ایک غیر عقیدہ شخص (ابو لؤلؤ غلام) نے حملہ کیا تھا۔ اسی طرح ایک غیر عقیدہ شخص نے ہی آپ پر بھی حملہ کیا۔

سوم۔۔ حضرت عمرؓ پر مسجد میں حملہ کیا گیا تھا اور حضرت فضل عمرؓ پر بھی مسجد میں حملہ کیا گیا۔

چہارم۔۔ حضرت عمرؓ پر نماز کے دوران حملہ کیا گیا۔ اسی طرح آپؓ پر بھی نماز کے وقت حملہ کیا گیا۔

پنجم۔۔ دشمن اسلام ابو لؤلؤ نے حضرت عمرؓ پر حملہ پیچھے سے آ کر کیا تھا اسی طرح آپؓ پر بھی پیچھے سے دشمن نے حملہ کیا۔

یہ ساری مماثلتیں جو حضرت عمرؓ کے ساتھ آپ کو تھیں۔ بے شک حضرت عمر شہید ہو گئے لیکن حضرت مصلح موعودؓ کے متعلق الہام میں "فضل عمر" کے الفاظ تھے جن میں یہ بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے گا اور عمر کی زیادتی کا اس میں ذکر تھا۔ فضل سے مراد زیادتی بھی ہے۔ عمرؓ کا منصب جلیلہ بھی نصیب ہو گا اور فضل کا لفظ زائد کر کے یہ بھی خدا نے بتا دیا کہ ہم اس کے ساتھ ہیں حضرت عمرؓ سے بڑھ کر معاملہ کریں گے اور یہ پیدا ہونے والا موعود بیٹا حملوں سے محفوظ رہے گا اور زندہ رہے گا۔

مزید اللہ تعالیٰ نے مصلح موعود کے متعلق یہ بھی فرمایا تھا کہ "خدا کا سایہ اس کے سر پر ہو گا"۔ اس عظیم الشان پیش گوئی کے اس فقرہ میں اللہ تعالیٰ کے خاص وعدہ کی خبر ہے۔ کہ اس موعود بیٹے پر حملے بھی ہونگے، اس کے خلاف اسے ناکام کرنے اور اسے قتل کرنے کی سازشیں بھی ہونگی لیکن ہر سازش ناکام کر دی جائے گی اور ہر کوشش اور ہر حملہ خائب و خاسر ہو گا۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مصلح موعودؓ کی زندگی میں چھ ایسے واقعات ہوئے کہ لوگوں نے آپ کو ہلاک کرنے کی کوششیں کیں اور ہر رنگ میں انہوں نے زور لگایا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ تھا کہ "خدا کا سایہ اس کے سر پر ہو گا"۔ وہ اپنی خاص

بقیہ صفحہ ۱۵ پر

قسط نمبر ۲

نوٹ: یہ مضمون حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مقام خلافت پر فائز ہونے سے کئی سال قبل تحریر فرمایا تھا اور یہ رسالہ "الفرقان" میں دو اقساط میں شائع ہوا تھا۔

حوادث طبعی یا عذاب الٰہی۔

عذاب الٰہی کی قسمیں

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے قرآن کریم کی رو سے تمام مادی تغیرات کو مشیت الٰہی کے ماتحت عذاب کا ذریعہ بھی بنایا جا سکتا ہے اور انعام کا بھی ۔ جہاں تک عذاب کا تعلق ہے عذاب کی حسب ذیل صورتوں کا قرآن کریم میں واضح ذکر موجود ہے :۔

(۱) مسلسل شدید بارش اور زمین کے پانی کی سطح کا بلند ہونا جس کے نتیجہ میں ایسا ہولناک سیلاب ظاہر ہو کہ علاقے کی تمام آبادی غرق ہو جائے

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۱﴾
فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿۱۲﴾
وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ
عَلٰٓی اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۳﴾

(سورہ القمر آیت ۱۱۔ ۱۳۔)

ترجمہ۔ آخر اس (نوح) نے اپنے رب سے دعا کی اور کہا مجھے دشمن نے مغلوب کر لیا ہے پس تو میرا بدلہ لے۔ جس پر ہم نے بادل کے دروازے ایک جوش سے بہنے والے پانی کے ذریعے کھول دئے اور زمین میں بھی ہم نے چشمے پھوڑ دئے۔ پس (آسمان کا) پانی (زمین کے پانی کے ساتھ) ایک ایسی بات کے لئے اکٹھا ہو گیا جس کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

(۲) ایسی منحوس تیز ہواؤں کا چلنا جو مسلسل جاری رہیں یہاں تک کہ آبادیاں ویران ہو جائیں اور انسانی لاشیں ٹوٹے ہوئے درختوں کی طرح بکھری ہوئی دکھائی دیں۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۱۹﴾
اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِیْ يَوْمِ نَحْسٍ
مُّسْتَمِرٍّ ﴿۲۰﴾
تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۱﴾

(سورہ القمر آیت ۱۹۔ ۲۱)

ترجمہ۔ عاد قوم نے بھی اپنے رسول کا انکار کیا تھا پھر دیکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔ ہم نے ان پر ایک ایسی ہوا بھیجی جو تیز چلنے والی تھی اور ایک دیر تک رہنے والے منحوس وقت میں چلائی گئی تھی وہ لوگوں کو اس طرح اکھیڑ پھینکتی تھی گویا وہ کھجور کے ایسے تنے ہیں جن کے اندر کا گودا کھایا ہوا تھا

(۳) زمین یا آسمان سے ایسی خوفناک گرج یا دھماکوں کا ظاہر ہونا جن کے نتیجہ میں آسمان پتھر برسانے لگے مثلاً آتش فشاں پہاڑوں کے اچانک پھٹنے سے قریب کی بستیوں کا جو حال ہوتا ہے بعینہ اسی قسم کی حالت کا ذکر عذاب الٰہی کی صورت میں حسب ذیل آیت میں ملتا ہے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۴﴾
فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً
مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۵﴾

(سورہ الحجر، آیت ۷۴، ۷۵)

ترجمہ اس پر اس موعود عذاب نے انہیں (یعنی لوطؑ کی قوم کو) دن چڑھتے ہی پکڑ لیا جس پر ہم نے اس بستی کی اوپر والی سطح کو اس کی نچلی سطح کر دیا اور ان پر سنگریزوں سے بنے ہوئے پتھروں کی بارش برسائی

(۴) ایسی آندھیوں کا مسلسل جاری رہنا جو مٹی اور ریت کے نتیجے میں بستیوں کو اس طرح دفنا دیں کہ محض دیکھنے کے لئے گھروں کے نشان باقی رہ جائیں۔

تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى
اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۶﴾

(احقاف: ۲۶)

ترجمہ۔ یہ ہوا اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کرتی جائے گی پس نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر صبح ایسے وقت میں آئی کہ صرف ان کے گھر ہی نظر آتے تھے۔ (سب قوم ریت میں دب گئی) اس طرح ہم مجرم قوم کو سزا دیتے ہیں۔

(۵) ایسے پے درپے سیلابوں کا آنا جو کسی خطہ زمین کی ہیئت ہی بدل ڈالیں اور زرخیز طاقتور زمینوں کو بنجر اور بیکار زمینوں میں تبدیل کر دیں ۔ جہاں بدذائقہ جنگلی پھلوں ، جھاؤ جیسی جڑی بوٹیوں اور جنگلی بیریوں کے سوا اور کچھ نہ اگ سکے

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ
بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَیْءٍ
مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۷﴾

(سورہ سبا آیت ۱۷)

ترجمہ۔ پھر بھی انہوں نے حق سے پیٹھ پھیرلی تب ہم نے (ان کو حق پانے سے محروم قرار دے کر)ان پر ایسا عذاب بھیج دیا جو ہر چیز کو تباہ کرتا جاتا تھا اور ہم نے ان کے دو اعلیٰ درجہ کے باغوں کی جگہ ان کو دو ایسے باغ دئے جن کے پھل بدمزہ تھے اور جن میں جھاؤ پایا جاتا تھا یا کچھ تھوڑی سی بیریاں تھیں۔

(۶) زلازل کا آنا جن کے نتیجہ میں زمین تہہ و بالا ہو جائے اور انسانی آبادیاں دھنس جائیں۔

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۵﴾

(سورہ الشمس آیت ۱۵)

ترجمہ۔ لیکن انہوں نے نبی کی بات نہ مانی بلکہ اس کو جھٹلایا اور وہ اونٹنی جس سے بچتے رہنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ جس کی وجہ سے اللہ نے ان کو خاک میں ملانے کا فیصلہ کر دیا اور ایسی تدبیریں کیں کہ ایسا ہی ہو گیا۔

(۷) ایسی طویل خشک سالی جس سے زمین کا پانی بھی سوکھ جائے اور اتنا گہرا چلا جائے کہ اس کا نکالنا انسانی مقدرت سے بڑھ جائے جیسے فرمایا

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ
يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۱﴾

(الملک آیت ۳۱)

ترجمہ۔ تو یہ بھی کہہ دے کہ مجھے بتاؤ تو سہی کہ اگر تمہارا پانی زمین کی گہرائی میں غائب ہو جائے تو بہنے والا پانی تمہارے لئے خدا کے سوا کون لائے گا

(۸) قحط کا ظاہر ہونا اور قوم کا شدید خوف و ہراس میں مبتلا ہو جانا۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً
يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ
بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ
بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

(سورہ النحل آیت ۱۱۳)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ (تمہیں سمجھانے کے لئے) ایک بستی کا حال بیان کرتا ہے جسے (ہر طرح سے) امن حاصل ہے اور اطمینان نصیب ہے۔ ہر طرح سے اس کا رزق اسے بافراغت پہنچ رہا ہے پھر (بھی) اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور اس کی ناشکری پر اللہ نے اس کے باشندوں پر ان کے اپنے گھناؤنے عمل کی وجہ سے بھوک اور خوف کا لباس نازل کیا ہے

(۹) قوموں اور ملکوں کا خوفناک جنگوں کے ذریعہ ایک دوسرے کو تباہ و برباد کرنا۔ جس کے نتیجے میں مختلف قسم کی تکالیف کا المناک سلسلہ دیکھنا پڑے۔ جو کئی قسم کی تنگیاں اور مشکلات قوموں پر وارد کرتا ہے۔ یہاں الضراء سے مراد غالباً ایسی تمام سختیاں اور تکلیفیں ہیں جو بڑی بڑی جنگوں کے بعد عموماً قوموں کو گھیر لیتی ہیں۔ مثلاً آزادیوں کا سلب ہونا۔ اقتصادیات کا تباہ ہونا۔ معاشرہ اور تہذیب و تمدن میں فساد ظاہر ہونا۔ وبائی امراض کا پھوٹنا وغیرہ وغیرہ۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا
بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۵﴾

(سورہ الاعراف آیت ۹۵)

ترجمہ۔ ہم نے کسی شہر کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا (مگر یوں ہی ہوا) کہ ہم نے اس میں بسنے والوں کو سختی اور مصیبت سے پکڑ لیا تاکہ وہ عاجزی اور زاری کریں۔

(۱۰) پرندوں کا عذاب الٰہی بن کر کسی قوم پر اترنا۔ جیسے فرمایا۔

وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ﴿۴﴾
تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۵﴾
فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴿۶﴾

(سورہ الفیل آیت ۴ تا ۶)

ترجمہ۔ اور ان (کی لاشوں) پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے (جو) ان کے (گوشت) کو سخت قسم کے پتھروں پر مارتے (اور نوچتے) تھے۔ سو اس کے نتیجہ میں اس نے انہیں ایسے بھوسے کی مانند کر دیا جسے جانوروں نے کھالیا ہو۔

(۱۱) کسی بڑی جھیل یا ڈیم کا اس طرح اچانک تباہ ہو جانا کہ گویا پوری کی پوری جھیل کسی قوم پر عذاب کی شکل میں الٹ دی گئی ہو۔

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۴﴾
اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۵﴾

(سورہ الفجر آیت ۱۴۔ ۱۵)

ترجمہ۔ جس پر تیرے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ تیرا رب یقیناً گھات میں (لگا ہوا) ہے۔

(۱۲) موسمی تغیرات کے نتیجہ میں خشکی تری اور ہوا کے ایسے ایسے جانوروں کا بکثرت پیدا ہو جانا۔ جو مشیت الٰہی کے مطابق کسی قوم میں عذاب کے سے حالات پیدا کر دیویں یا مختلف بیماریوں کی افزائش کا موجب ہوں مثلاً ٹڈی دل، مینڈک، جوئیں، پسو، مچھر، اور اس قسم کے دوسرے حشرات الارض اور ایسے جراثیم جو خونی بیماریاں پیدا کر دیں مثلاً پیچش اور جریان خون سے تعلق رکھنے والیاں بیماریاں وغیرہ۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ
وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا
وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

(سورہ الاعراف آیت ۱۳۴)

ترجمہ۔ تب ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیجا۔ یہ الگ الگ نشان تھے۔

(۱۳) کسی قوم پر ایسی دوسری قوم کو مسلط کرنا جو ان کو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کریں اور ایسا ایمان لانے کے نتیجہ میں نہ ہو بلکہ دیگر عوامل اس کے ذمہ دار ہوں مثلاً یہود کے متعلق قرآن کریم کی یہ خبر کہ ان کے لئے مقدر کیا گیا ہے کہ قیامت تک ان پر ایسی قومیں مسلط ہوں جو انہیں طرح طرح کے عذاب دیں۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ
الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۸﴾

(سورہ الاعراف آیت ۱۶۸)

ترجمہ۔ اور یاد کر جب تیرے رب نے اعلان کر دیا کہ ان (یہود) پر قیامت کے دن تک ایسے لوگ مقرر کر دے گا جو انہیں تکلیف دہ عذاب دیتے چلے جائیں گے (پھر کیا ایسا ہوا ہے یا نہیں ہوا ؟) تیرا رب یقیناً بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

عذاب کی جتنی قسمیں اوپر بیان ہوئی ہیں یہ عجیب بات ہے کہ چار معروف عناصر طبعی میں سے ان کا تعلق تین عناصر سے نظر آتا ہے لیکن چوتھے عنصر کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ یہ سب عذاب کی قسمیں مٹی پانی یا ہوا سے تعلق رکھتی ہیں۔ یا ان جانوروں سے تعلق رکھتی ہیں جو مٹی پانی یا ہوا میں بسنے والے ہیں۔ لیکن چوتھے عنصر یعنی آگ کے عذاب کا گزشتہ قوموں کے تعلق میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ آگ کے ابتلاء سے نیک بندوں کی آزمائش کی گئی۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں اور سورہ بروج کے بیان کردہ مضمون سے واضح ہے۔ لیکن جہاں تک آگ کے عذاب کا تعلق ہے آگ کے عذاب کا اس دنیا میں گزری ہوئی امتوں کے بیان میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ لیکن جہاں تک قرآن کریم کی پیشگوئیوں کا تعلق ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلسل انکار کے نتیجہ میں قوموں کو آئندہ آگ کا عذاب بھی دیا جانا مقدر تھا۔ قرآن کریم کی مختلف آیات میں اس طرف اشارۃً یا صراحتاً ذکر ہے جیسا کہ فرمایا:۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۱﴾
لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۲﴾
اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۳﴾
كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۴﴾
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۵﴾

(سورہ المرسلات، آیت ۳۱ تا ۳۵)

ترجمہ۔ (ہم ان سے کہیں گے) جس چیز کو تم جھٹلاتے تھے اسی کی طرف جاؤ یعنی اس سائے کی طرف جاؤ جس کے تین پہلو ہیں۔ نہ تو وہ سایہ دیتا ہے اور نہ تپش سے محفوظ رکھتا ہے بلکہ وہ اتنے اونچے شعلے پھینکتا ہے جو قلعے کے برابر ہوتے ہیں۔ اتنے اونچے کہ گویا وہ بڑے بڑے جہازوں کے باندھنے والے زرد رسے معلوم ہوتے ہیں اس دن جھٹلانے والوں پر تباہی آئے گی۔

اس آیت میں جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ زمانہ حاضرہ کی جنگوں سے بہت ملتا جلتا ہے یہ وہ زمانہ ہے جس میں پہلی مرتبہ جنگ کا مہیب سایہ تین نمایاں شعبے رکھتا ہے۔ فضائی، بری اور بحری اور یہ تینوں شعبے آگ برسانے والے ہیں۔ انھا ترمی بشرر کالقصر میں قلعوں کی طرح جو بلند شعلے پھینکنے کا منظر ہے وہ بالکل جدید آلات حرب کے آگ اگلنے کی تصویر ہے اسی طرح سورہ الہمزہ میں جس آگ سے ڈرایا گیا ہے اس کا بھی عہد حاضر سے تعلق معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ﴿۲﴾
الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ﴿۳﴾
يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ﴿۴﴾
كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ﴿۵﴾
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ﴿۶﴾
نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿۷﴾
الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَةِ ﴿۸﴾
اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۹﴾
فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۱۰﴾

(سورہ الہمزہ آیت ۲ تا ۱۰)

ترجمہ۔ ہر غیبت کرنے والے اور عیب چینی کرنے والے کے لئے عذاب ہے۔ جو مال کو جمع کرتا ہے اور اس کو شمار کرتا رہتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کے نام کو باقی رکھے گا۔ ہرگز ایسا نہیں (جیسا کہ اس کا خیال ہے بلکہ) وہ یقیناً اپنے مال سمیت حطمہ میں پھینکا جائے گا۔ اور (اے مخاطب) تجھے کیا معلوم ہے کہ حطمہ کیا شے ہے؟ ۔ یہ اللہ کی خوب بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں کے اندر تک جا پہنچے گی۔ پھر وہ آگ سب طرف سے بند کر دی جائے گی۔ تاکہ اس کی گرمی ان کو اور زیادہ تکلیف دہ محسوس ہو۔ اور وہ لوگ لمبے ستونوں سے ساتھ بندھے ہوئے ہوں گے۔

یہاں کسی فرد کا نہیں بلکہ ایک قوم کا ذکر معلوم ہوتا ہے کیونکہ فرد واحد خواہ کیسا ہی امیر کیوں نہ ہو وہ کبھی بھی یہ وہم نہیں کر سکتا کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ کی زندگی عطا کر سکتا ہے۔ البتہ

امیر قومیں جن کو دولت کا غلبہ نصیب ہو جائے دولت کے بل بوتے پر ضرور اس غلط فہمی میں مبتلاء ہو جایا کرتی ہیں کہ ان کا غلبہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ ان کو جس عذاب سے خبردار کیا گیا ہے وہ بھی ایسا آگ کا عذاب ہے جو اپنی شدت کی وجہ سے دلوں پر جھپٹتا ہے یعنی آن واحد میں دلوں سے زندگی اچک لینے والا ہے۔ آج کل کے ایٹمی ہتھیار بالکل اسی نقشہ پر پورا اتر رہے ہیں اور ایٹم بم کے پھٹنے سے پہلے اس کے مرکز کا کھنچ کر لمبا ہو جانا نیز حطمہ کے معنی ریزہ ریزہ کی ہوئی شئی یعنی باریک ترین ریزے کے ہیں۔ یہ دونوں امور بھی اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ بہر حال جس آگ کے عذاب کی خبر دی گئی ہے وہ اسی دنیا سے تعلق رکھتا ہے اور اسی کے نتیجہ میں اس متکبر، مال و دولت کے نشہ میں سرشار قوم کی تباہی معلوم ہوتی ہے جو اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے خواب دیکھ رہی ہو۔

مذکورہ بالا عذاب کی پیش خبریوں کو اگر پہلے مضمون کے ساتھ ملا لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ چاروں عناصر یعنی پانی، مٹی، ہوا اور آگ اللہ تعالیٰ کے تصرف کے تحت عذاب کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں اور یہی وہ چاروں عناصر ہیں جو انعام کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں پس عذاب کے لئے طبعی قوانین کا مسخر ہونا ہرگز کسی اچنبے کی بات نہیں۔ لازماً ہر قسم کے نقصان اور فائدے انہی طبعی عناصر کے ساتھ وابستہ ہیں۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ دنیا میں ہمیشہ ہر زمانے میں ایسے تغیرات ہوتے ہی رہتے ہیں جن کے نتیجے میں آگ، پانی، ہوا اور مٹی کسی انسان کو فائدہ نہیں دے رہے ہوتے ہیں۔ کبھی نقصان کبھی تنگی کے سامان پیدا کرتے ہیں کبھی آسائش کے تو کیوں بلاوجہ اس کو غیر معمولی تصرف الٰہی قرار دیا جائے اور کیوں بعض حالات کو بعض اوقات عام طبعی تغیرات قرار دیا جائے اور بعض اوقات انہیں خاص تصرفات کا نام دیا جائے۔ جب سے دنیا بنی ہے ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ کوئی نیا سوال نہیں اور جدید زمانے کے انسان نے اس اعتراض کے ذریعہ ایسی نئی بات پیدا نہیں کی جو پہلے انسانوں کو نہ سوجھی ہو۔ قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ بالکل یہی اعتراض انبیاء پر کیا گیا۔ جیسے فرمایا:۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝

(سورہ الاعراف آیت ۹۵ - ۹۶)

ترجمہ۔ اور ہم نے کسی شہر کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا (مگر یوں بھی ہوا کہ) ہم نے اس میں بسنے والوں کو سختی اور مصیبت سے پکڑ لیا تا کہ وہ عاجزی اور زاری کریں۔ پھر ہم نے تکلیف کی جگہ سہولت کو بدل دیا یہاں تک کہ جب وہ ترقی کر گئے اور کہنے لگے کہ تکلیفیں اور سکھ تو ہمارے باپ دادوں پر بھی آیا کرتے تھے (اگر ہمیں آئے تو کوئی نئی بات نہیں) پس ہم نے ان کو اچانک عذاب سے پکڑ لیا اور وہ سمجھتے نہ تھے (کہ ایسا کیوں ہوا)۔

ہمارا محض یہ کہہ دینا کہ یہ اعتراض قدیم سے کیا جا رہا ہے کوئی مثبت تسلی بخش جواب قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جب تک ہم ان تغیرات کو جو عذاب الٰہی کا نام پاتے ہیں دوسرے عام تغیرات سے ممتاز کر کے اس طرح پیش نہ کریں کہ ایک بین فرق نظر آنے لگے اور دل مطمئن نظر آنے لگیں اور یہ دونوں طبعاً ایک ہونے کے باوجود الگ الگ دائروں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس وقت تک یہ مضمون مکمل نہیں ہو سکتا۔ قبل ازیں فرعون کی ہلاکت کے ذکر میں ایک ایسا پہلو بیان کیا جاچکا ہے جو فرعون کی ہلاکت کے طبعی سامان کو اس سے ملتے جلتے دوسرے واقعات سے قطعی طور پر ممتاز کر کے دکھانا یعنی قرآن کی پیش گوئی کے مطابق فرعون کی لاش کا انتہائی مشکل حالات میں محفوظ رکھا جانا اور سینکڑوں سال کے بعد دریافت ہو کر انسان کے لئے عبرت کا نشان بننا۔ اس واقعہ کو عذاب الٰہی ثابت کرنے کا ایک ٹھوس ثبوت پیش کرتا ہے لیکن اس پر بات ختم نہیں ہو جاتی۔ قرآن کریم ایسے نمایاں اور واضح دلائل پیش کرتا ہے جن پر غور کرنے سے ایک منصف مزاج کی عقل بآسانی مطمئن ہو سکتی ہے۔

عذاب الٰہی کا نظام اگرچہ ایک پہلو سے عام طبعی قوانین سے تعلق رکھتا ہے مگر بعض دوسرے پہلوؤں سے ایسی الگ اور ممتاز حیثیت رکھتا ہے کہ دونوں میں نمایاں فرق ہو جائے۔ اس حصہ مضمون پر ہم آئندہ روشنی ڈالیں گے، انشاء اللہ۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ یہ سوال بھی زیر بحث لائیں گے کہ جب کوئی قوم عذاب الٰہی میں مبتلا کی جائے یا کسی قوم پر عذاب الٰہی نازل ہونے کی خبر دی جائے تو مومنین کی جماعت پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور ان کا کیا رد عمل ہونا چاہئے۔ مضمون کا یہ حصہ موجودہ زمانہ میں جماعت احمدیہ کی صحیح تربیت کے لحاظ سے بہت اہم ہے اور اس بارہ میں لاعلمی کے نتیجہ میں اس بات کا احتمال ہے کہ بعض احمدی ایسا رد عمل دکھائیں جو سنت انبیاء اور مومنین کی شان کے خلاف ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین۔

عذاب الٰہی کی امتیازی علامت

عذاب الٰہی کو عام حوادث سے ممتاز کرنے والی علامات میں سے ایک اہم علامت یہ ہے کہ عذاب کے واقع ہونے سے قبل ہی اس کی خبر دے دی جاتی ہے اور صرف خبر ہی نہیں بسا اوقات اس کی نوعیت بھی تفصیل سے بیان کر دی جاتی ہے۔ اس کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں بڑی واضح شکل میں ملتی ہے۔ آپ نے پہلے سے قوم کو متنبہ کر دیا کہ تمہارے اعمال کی خرابی کے نتیجہ میں نیز میرے دعاوی کے مسلسل انکار کی وجہ سے تم ہلاک کر دئے جاؤ گے۔ اس تنبیہ کے ساتھ ہی آپ نے ذریعہ ہلاکت سے بھی ان کو آگاہ کر دیا اور بتایا کہ تمہاری ہلاکت کا ذریعہ پانی کو بنایا جائے گا۔ جو ایک ایسے بے نظیر سیلاب کی صورت میں آئے گا جس سے علاقہ کی کوئی چیز خواہ انسان ہو یا حیوان بچ نہیں سکے گی۔ یہ خبر دینے کے ساتھ ہی حضرت نوح علیہ السلام اس کشتی کی تعمیر میں مصروف ہو گئے جو اللہ تعالیٰ کے اذن کے مطابق اس عذاب سے مومنوں کو بچانے کے لئے بنائی جا رہی تھی۔ منکرین پاس سے گزرتے، ہنستے اور تمسخر اڑاتے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو طرح طرح کے طعنوں کا نشانہ بناتے لیکن کوئی بھی یہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوا کہ آسمان اس کثرت کے ساتھ پانی برسا سکتا ہے کہ دنیا کی کوئی پناہ گاہ اس کی زد سے انسان کو بچا نہ سکے۔ لیکن آخر وہ دن بھی آ ہی گیا جبکہ قرآن کریم کے بیان کے مطابق۔

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ۝

(القمر آیت ۱۲)

آسمان نے اپنے تمام دروازے کھول دئے اور ایسا موسلا دھار مینہ برسنا شروع ہوا جس کی کوئی مثال اس سے پہلے دیکھی نہ گئی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام اور آپ پر ایمان لانے والے کشتی میں سوار ہوئے اور اپنے ساتھ ایک معین مدت کے لئے زاد سفر بھی لے لیا۔ کچھ جانور اور کچھ پرندے جو پہلے سے اس غرض کے لئے جمع کئے گئے تھے وہ بھی اس کشتی میں سوار کر لئے گئے۔ لیکن اس وقت تک بھی دیکھنے والے دیکھتے رہے اور تمسخر اڑاتے رہے یہاں تک کہ وہ کشتی پانی کی بلند ہوتی ہوئی سطح کے ساتھ بلند تر ہوتی چلی گئی اور مکانات، اونچی جگہیں اور ٹیلے رفتہ رفتہ پانی میں ڈوبنے لگے۔ لیکن اس وقت بھی ایمان نہ لانے والوں کو یقین نہ آیا کہ کشتی کے سواروں کے سوا اس علاقہ کے باقی تمام لوگ غرق ہو جائیں گے۔ خود حضرت نوح علیہ السلام کے ایک جسمانی بیٹے نے بھی اپنی بدقسمتی سے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس غیر معمولی بارش اور سیلاب کو آخر وقت تک ایک طبعی حادثہ سمجھتا رہا۔ اسے یہ گمان تو شائد گزرتا ہو کہ یہ کشتی سوار غرق ہو جائیں گے لیکن یہ وہم اس کے دل میں نہ آیا کہ سیلاب پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی اوپر نکل جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم کے بیان کے مطابق ہمیں اہل دنیا کی جو آخری آواز سنائی دیتی ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام کے اس بیٹے کی یہ آواز ہے۔

قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ۝

(سورہ ھود آیت ۴۴)

کہ میں پہاڑ کی پناہ لے لوں گا اور یہ پہاڑ مجھے بچا لے گا۔

لیکن ایک بلند و بالا موج حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اور پہاڑ پر پناہ لینے والے اس وجود کے درمیان حائل ہو گئی۔ پانی بلند سے بلند تر ہوتا رہا اور پہاڑوں کی چوٹیاں روپوش ہونے لگیں۔ تیرنے والی اس کشتی کے سوا سطح آب پر کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔

یہ واقعہ جو تفاصیل کے کسی قدر اختلاف کے ساتھ دنیا کے تین بڑے مذاہب یعنی اسلام، یہودیت اور عیسائیت کو مسلم ہے کم از کم ان اہل مذاہب کے لئے تو ضرور ایک حجت ہے اور وہ یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ معمول کے مطابق طبعی قوانین کے تابع برسنے والی بارش بھی کبھی عذاب الٰہی کا رنگ اختیار کر سکتی ہے۔

عذاب الٰہی کی مختلف اقسام کا بیان چونکہ پہلے گزر چکا ہے اس لئے اس کے تکرار کی ضرورت نہیں۔ یہاں صرف عذاب الٰہی کی امتیازی علامات کا ذکر ہو رہا ہے تو پہلی علامت قرآن کریم سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ وقت سے پہلے عذاب الٰہی کی خبر دے دی جاتی ہے اور بسا اوقات اس کی نوعیت کی بھی تعین کر دی جاتی ہے

دوسری امتیازی علامت

دوسری امتیازی علامت ہمیں یہ معلوم ہوتی ہے کہ عذاب الٰہی کے واقع ہونے کو ایک شرط کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے۔ جس کا کسی پہلو سے بھی ان عوامل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جس کے نتیجہ میں کوئی ارضی و سماوی حادثہ رونما ہو سکے۔

حضرت صالح علیہ السلام کے عہد کی مثال ہمارے پیش نظر ہے۔ وہ خوفناک دھماکہ جسے آتش فشاں پہاڑ کا پھٹنا کہہ لیں یا غیر معمولی قوت کی گھن گرج قرار دے لیں یا اچانک زمین کے پھٹنے کے نتیجہ میں ایک ہیبت ناک آواز تصور کر لیں۔ غرضیکہ اس "صیحۃ واحدہ" کی جو شکل بھی چاہیں تجویز کر لیں یہ امر تو بہر حال ہر انسان کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس "صیحہ" کا اونٹنی کی کونچیں کاٹنے سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں یعنی اس کے نتیجہ میں یہ واقعہ رونما نہیں ہو سکتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو طبعی ذریعہ بھی حضرت صالح کی قوم کی ہلاکت کے لئے تجویز ہوا وہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا بلکہ ایک غیر معمولی تقدیر تھی۔ جب تک قوم حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا پانی بند کرنے اور اس کی ایذا رسانی سے باز رہی اذن الٰہی کی نکیل نے اس ہولناک حادثہ کو رونما ہونے سے سختی سے روکے رکھا۔ لیکن جونہی اس اونٹنی کا پانی بند کیا گیا اور کونچیں کاٹی گئیں تو قوانین طبعی کو اپنی جولانیاں دکھانے کی اجازت دے دی گئی۔

تیسری امتیازی علامت

تیسری علامت جو حادثات طبعی کو عذاب الٰہی سے ایک غیر معمولی امتیاز بخشتی ہے وہ یہ ہے کہ عذاب الٰہی کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاتی کہ وہ کافروں کے ساتھ مومنوں کو بھی ہلاک کر دے۔ بلکہ بلا استثناء ہر ایسے حادثے کے وقت مومن بچا لئے جاتے ہیں اور منکرین ہلاک کر دئے جاتے ہیں۔ اگرچہ قرآن کریم میں بعض ایسے قومی عذابوں کا ذکر ملتا ہے جن کے نتیجہ میں منکرین کے ساتھ مومن بھی کسی قدر تکلیف اٹھاتے ہیں لیکن یہ عذاب ایک استثنائی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا مقصد مختلف ہوتا ہے۔ ہم عذابوں کی جن اقسام پر بحث کر رہے ہیں یہ وہ عذاب ہیں جو مومن اور غیر مومن میں تفریق کے لئے آتے ہیں اور جن کے لئے وقت کے انبیاء واضح الفاظ میں یہ خبر دے دیا کرتے ہیں کہ یہ خدا کے پاک بندوں کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہ ایک ایسا امتیاز ہے جس کا کوئی طبعی جواز نظر نہیں آتا۔ آخر کیوں ایک معمول کے مطابق ہونے والا حادثہ قوم کی بھاری اکثریت کو تو ہلاک کر دے لیکن چند لوگوں سے استثنائی سلوک کرتے ہوئے بغیر گزند پہنچائے پاس سے گزر جائے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس سے عجیب تر بات یہ ہے کہ قوم کے طاقتور اور دنیاوی ساز و سامان سے متمتع غالب قوتوں والے حصہ کو تو ہلاک کر دے جس کے پاس حوادث سے بچنے کے زیادہ سے زیادہ ظاہری سامان موجود ہوتے ہیں لیکن چند کمزور اور ضعیف اور بے سرو سامان لوگوں کو گزند پہنچانے کی اسے کوئی قدرت حاصل نہ ہو۔

چوتھی امتیازی علامت

چوتھی علامت یہ ہوا کرتی ہے کہ عذاب الٰہی کے بعد وہ نظریہ حیات یا تو کلیۃً مٹا دیا جاتا ہے یا مغلوب کر دیا جاتا ہے جو عذاب الٰہی سے پہلے طاقتور اور غالب ہوتا ہے اور وہ نظریہ حیات جو عذاب الٰہی سے پہلے نہایت کمزور اور مغلوب حالت میں پایا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے زندہ رہنے کے کوئی ظاہری سامان نظر نہیں آتے وہ عذاب الٰہی کے بعد نہایت قوی اور غالب صورت میں تیزی کے ساتھ نشوونما پانے لگتا ہے۔ حتیٰ کہ نظریات کے میدان میں کبھی تو ایسے تنہا عظیم فاتح کے طور پر دکھائی دیتا ہے جس کا مدمقابل کلیۃً خاک میں مل چکا ہو اور کبھی ایسے فتح مند جرنیل کی شکل میں نظر آتا ہے جس کا حریف نہایت کمزوری اور ذلت کی حالت میں اس کے غلبہ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو چکا ہو۔

جو اہل مذاہب اس مذہبی تاریخ کو تسلیم کرتے ہیں جو آسمانی صحیفوں میں ان کے لئے محفوظ کی گئی ان کے لئے تو مذکورہ امور ایک مسلمہ حقیقت کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن وہ لوگ جو کسی مذہب سے وابستہ نہیں یا وابستہ ہونے کے باوجود دہریت اور لادینیت کا شکار ہیں وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذکورہ بالا چاروں علامتیں تاریخ مذاہب سے حاصل کی گئی ہیں اور ہمیں اس تاریخ کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لئے ہمارے نزدیک ان کی حیثیت دلائل کی نہیں محض دعاوی کی ہے لیکن ادنیٰ سے تدبر سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ مذکورہ بالا دعاوی اپنے ساتھ ایسے دلائل اور شواہد رکھتے ہیں جن کی کوئی لامذہب بھی تردید نہیں کر سکتا۔

میں اپنے مدعا کی مزید وضاحت کے لئے ذیل میں چند امور قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں

(اول) ۔ دنیا کا کوئی لامذہب یا بے دین انسان اس تاریخی حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ جب بھی کسی نبی یا مصلح نے خدا تعالیٰ کی طرف سے اذن پا کر دنیا کو ہدایت کی طرف بلایا کوئی دنیاوی ذریعہ اس کے پاس ایسا نہیں تھا جس سے وہ اپنے مخالفین پر غالب آ سکتا۔ اس کے برعکس اس کے مخالفین کو ہر پہلو سے اس پر مکمل دنیاوی فوقیت حاصل تھی۔ کیا بلحاظ تعداد، کیا بلحاظ مال و دولت، کیا بلحاظ سیاسی قوت اور کیا بلحاظ اسباب جنگ، ہر پہلو سے وہ اس دعویدار کے مقابل پر اتنے طاقتور اور قوی تھے کہ ادنیٰ سی دنیاوی کوشش کے نتیجہ میں اسے اور اس کے چند ماننے والوں کو ہلاک کر دینے کی پوری طاقت رکھتے تھے۔ ایسے انبیاء اور مصلحین کی کمزوری کا کچھ تصور اس حقیقت سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ دنیاوی تاریخ کسی نبی کے ظہور کے واقعہ کو اپنے زمانے میں ایک ایسا معمولی واقعہ سمجھتی ہے جیسے کسی وسیع جھیل میں ایک بچے کے ہاتھ سے پھینکی ہوئی کنکر سے کچھ لہریں پیدا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور واقعہ صلیب کو جو اہمیت حاصل تھی اس کا آج جو ہم تصور باندھے ہوئے ہیں اس عہد کے انسان کا تصور اس سے بالکل مختلف تھا۔ ہم چونکہ نسلاً بعد نسل اس عظیم واقعہ کا ذکر سنتے آئے ہیں اس لئے ہم خواہ مخواہ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دعویٰ اور بعد میں رونما ہونے والا واقعہ صلیب اس زمانے کے انسانوں کی نظر میں بھی کوئی بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ ہمارا یہ گمان ہرگز حقیقت پر مبنی نہیں۔ عظیم سلطنت روما کے ایک گوشے میں رونما ہونے والے اس واقعہ نے اس زمانے کے مورخین کی توجہ اس حد تک بھی اپنی طرف مبذول نہ کروائی کہ وہ اسے کوئی قابل ذکر بات سمجھ کر چند سطروں میں ہی اس کا ذکر محفوظ کر دیتے۔ چنانچہ رومن مورخین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک سو سال کے بعد تک بھی یسوع نام کے کسی نبی کے ظاہر ہونے کا ذکر نہیں کرتے اور گویا واقعہ صلیب معمول کے مطابق ایک روزمرہ کی قانونی کاروائی سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ اس قسم کی کاروائیاں قومی تاریخ کے صفحات میں محفوظ کرنے کے لائق شمار نہیں کی جاتیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی تاریخی عظمت کا انحصار کلیۃً عیسائیت کے پھیلاؤ سے تھا۔ جوں جوں عیسائی قوم ترقی کرتی چلی گئی بعد میں آنے والے مورخین اس واقعہ کو پہلے سے بڑھ کر اہمیت دیتے چلے گئے۔ عہد مسیح میں یقیناً سلطنت

روما کے مقابل پر مسیح کی ظاہری حیثیت قابل ذکر نہ تھی کہ ان کا مرنا یا جینا سلطنت روما کے اہلکاروں کی نگاہ میں کوئی قابل اعتبار بات سمجھی جاتی۔

اسی طرح اس کائنات کا سب سے بڑا واقعہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ فتح مکہ سے قبل تک اس زمانہ کے انسان کو ایک ایسا عام اور معمولی واقعہ نظر آتا تھا کہ جب تک مسلمانوں کی فتوحات نے مشرق و مغرب میں زلازل برپا نہیں کئے اس وقت تک روس اور فارس کی سلطنتوں نے ظہور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی خاص قابل اعتناء بات نہ سمجھا۔ کسریٰ کی حکومت تو بہت جلد اسلام سے مغلوب ہوگئی۔ اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ایرانی مورخین نے فتح مکہ سے قبل حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ذکر اپنی تاریخ کے صفحات میں محفوظ کیا یا نہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے رومن مورخین کے متعلق ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے ہاں کائنات کے اس عظیم واقعہ کا کوئی ذکر تک نہیں ملتا۔

ایران کی عظیم مشرقی سلطنت کے بارہ میں بھی ان روایات کی روشنی میں جو اسلامی تاریخ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں شہنشاہ ایران کے نزدیک یہ ایک بہت ہی معمولی واقعہ تھا۔ اس دور کے خسرو کے متعلق یہ لکھا ہے کہ اس نے یمن کے گورنر کو یہ کہلا بھیجا کہ شنید آئی ہے کہ کوئی اس قسم کا دعویدار عرب میں پیدا ہوا ہے اسے پکڑوا کر میرے دربار میں حاضر کرو۔ یمن کے گورنر کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو اہمیت تھی اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے صرف دو کارندے اس غرض کے لئے مدینہ روانہ کئے کہ نعوذ باللہ سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر اس کے سامنے لائیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت کی دنیا نے ظہور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا اہمیت دی ہوگی۔

پس دنیا کا کوئی لامذہب بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہر نبی اپنے دعویٰ کے وقت کمزور ہی نہیں بلکہ اہل دنیا کو اتنا کمزور نظر آتا ہے کہ اس کا ہونا یا نہ ہونا گویا انکے نزدیک برابر ہوتا ہے۔ آدم سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک بلا استثناء ہمیشہ یہی کہانی دہرائی گئی۔

(دوم)۔ اس کے بعد ہر لامذہب اور منکر دین کو اس حقیقت سے بھی انکار کی گنجائش نہیں کہ وہ عظیم سلطنتیں اور عظیم قومیں جو اپنے وقت کے نبی کو پرپشہ کی حیثیت بھی نہیں دیتی تھی۔ "حوادث زمانہ" (اہل مذہب کے نزدیک عذاب الٰہی) کا شکار ہو گئیں اور ان کی صف اس دنیا سے یکسر لپیٹ دی گئی اور ان کے مذاہب مٹ گئے اور ان کے نظریات فنا ہوگئے اور کچھ بھی ان کا باقی نہ رہا سوائے اس ذکر کے جو تاریخ کے صفحات میں پھیلا ہوا ہے لیکن وہ جن کا کچھ ذکر ان لوگوں کی تاریخ کے صفحات میں نہیں ملتا وہ ایک ناقابل فہم معمہ بن کر ان سلطنتوں اور قوموں پر غالب آگئے باقی رہے اور اس شان سے باقی رہے کہ ان کے نظریات ہی آج غالب نظریات کے طور پر زندہ موجود ہیں۔ ان کے مذاہب نے دنیا کے عظیم خطوں کو گھیر رکھا ہے یہاں تک کہ آج دنیا میں بسنے والے لوگوں کی غالب اکثریت وہ ہے جو کسی نہ کسی ایسے نبی یا رشی یا اوتار کی طرف منسوب ہوتی ہے جو اپنے وقت کا کمزور ترین انسان تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان قوموں کے مٹنے کا باعث حوادث زمانہ تھے تو عقلاً ان کا اول شکار اس زمانے کے کمزور ترین انسان ہونے چاہئیں تھے نہ کہ انتہائی طاقتور اور حکمران قومیں ...۔ حوادث زمانہ کو یہ تمیز کہاں سے آئی کہ کمزور اور طاقتور میں ایسی تمیز کرے کہ کمزور کا معین و مددگار اور طاقتور کا جان لیوا دشمن بن جائے؟

(سوم) ایک تیسری حقیقت جو اسی تعلق میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے اور کوئی لامذہب اور بے دین انسان اس کا بھی انکار نہیں کر سکتا اور وہ یہ ہے کہ وہ بستیاں جو زلازل کا شکار ہوئیں او مسلسل چلنے والی آندھیوں کے نتیجہ میں تہہ بہ تہہ خاک کے تودوں کے نیچے دب کر تباہ ہوگئیں ان میں سے ایک بستی بھی ایسی نہیں جو کسی نبی پر ایمان لانے والی جماعت پر مشتمل ہو بلکہ تمام بے دینوں اور منکروں کی بستیاں ہیں جن کے آثار باقیہ آج بھی شرک و بدعت اور فسق و فجور کی داستانیں محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ قرآن کریم ان بستیوں کا بار بار ذکر فرماتا اور انسان کی توجہ بار بار اس حقیقت کی طرف مبذول کراتا ہے کہ قدیم سے جاری و ساری عظیم شاہراہوں پر ان بستیوں کو تلاش کرو تو تمہیں خاک کے عظیم تودوں تلے دبی ہوئی نظر آئیں گی۔ اور تم دیکھو گے کہ ان میں وہ قومیں مدفون ہیں جو اپنے وقت کے انبیاء کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا عزم لے کر اٹھی تھیں۔ ان کے عزائم نہایت خطرناک اور ان کی قوت ناقابل دفاع تھی۔ اس وقت جبکہ بظاہر انبیاء اپنے غلبہ سے مایوس ہوگئے تب اچانک اللہ تعالیٰ کی مدد ایک ایسے عذاب کی صورت میں آئی جو اچھے اور برے میں امتیاز کرنے والا تھا جسے خدا چاہتا تھا اسے نجات بخشتا تھا لیکن مجرم اس کی پکڑ سے بچ نہ سکتے تھے۔ قرآن کریم اس کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتا ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّىَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۞

(سورہ یوسف آیت ۱۱۱)

ترجمہ۔ اور جب (ایک طرف تو) رسول (ان کی جانب سے) ناامید ہو گئے اور (دوسری طرف) ان (منکروں کا یہ) پختہ خیال ہوگیا کہ ان سے (وحی کے نام سے) جھوٹی باتیں کہی جا رہی ہیں تو (اس وقت) ان (رسولوں) کے پاس ہماری مدد آگئی اور جنہیں ہم بچانا چاہتے تھے (انہیں) بچا لیا گیا اور مجرم لوگوں سے ہمارا عذاب (ہرگز) نہیں ہٹایا جاتا۔

یہ مدفون قومیں جن کے مدفن سے انسان لاعلمی اور غفلت کی حالت میں گزر جایا کرتا تھا آج کے زمانہ میں جبکہ زمین اپنے بوجھ اگل رہی ہے منظر عام پر ابھر رہی ہیں لیکن جس وقت قرآن کریم نے ان کا ذکر فرمایا تھا اکثر انسان اس بارہ میں لاعلمی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

پانچویں امتیازی علامت

پانچویں علامت جو عذاب الٰہی کو حوادث زمانہ سے الگ کرتی ہے اس کا ذکر قرآن کریم کی حسب ذیل آیت میں ملتا ہے۔

وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۖ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۞

(سورہ الزخرف آیت ۴۹)

ترجمہ۔ ہم ان کو جو نشان بھی دکھاتے تھے وہ اپنے نشان سے بڑا ہوتا تھا اور ہم نے ان کو عذاب میں مبتلاء کر دیا تھا تاکہ وہ (اپنی بد اعمالیوں سے) لوٹ جائیں۔ یعنی عذاب الٰہی میں ایک تدریج اور ترتیب پائی جاتی ہے اور آخری غلبے تک عذابوں کا سلسلہ سخت سے سخت ہوتا چلا جاتا ہے

گویا عذاب الٰہی کے مختلف مظاہر میں خفیف سے اشد کی طرف حرکت نظر آتی ہے۔ اگر عذاب کی شدت کا گراف بنایا جائے تو معمولی اتار چڑھاؤ کے باوجود عذاب کا عمومی رخ شدید سے شدید تر کی طرف ہی نظر آئے گا۔ یہاں تک کہ اگر قوم پیغمبر وقت کے نظریات کو قبول نہ کرے اور اس کی ہلاکت مقدر ہو جائے تو عذاب کی آخری یورش سب سے شدید اور فیصلہ کن ہوتی ہے۔ حوادث زمانہ میں ایسی کوئی ترتیب نہیں پائی جاتی

چھٹی امتیازی علامت

عذاب الٰہی کی چھٹی امتیازی علامت یہ ہے کہ گو حوادث زمانہ انسان کی قلبی کیفیت سے اثر انداز نہیں ہوتے اور وہ ان کیفیات سے بے نیاز اپنے دائرہ میں کارفرما رہتے ہیں۔ لیکن عذاب الٰہی اس عہد کے انسانوں کی قلبی کیفیات سے ایک ایسا عجیب رشتہ رکھتا ہے کہ اگر دلوں میں گزشتہ گناہوں پر ندامت اور پشیمانی پیدا ہو جائے اور طبیعتیں استغفار کی طرف مائل ہوں تو عذاب الٰہی ٹل جاتا ہے۔ قرآن کریم عذاب الٰہی کی اس امتیازی خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۞

(سورہ انفال آیت ۳۴)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ انہیں ایسی حالت میں عذاب نہیں دے سکتا تھا جبکہ تو ان میں تھا اور نہ اللہ ان کو ایسی حالت میں عذاب دے سکتا تھا جب کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔

گزشتہ انبیاء کی تاریخ میں حضرت یونس علیہ السلام کے عہد کا واقعہ اس نوع کی ایک نمایاں مثال ہے کہ عذاب الٰہی کی خبر دئے جانے کے باوجود جب قوم نے استغفار سے کام لیا تو یہ غیر متبدل سنت اللہ قوم اور عذاب الٰہی کے درمیان حائل ہو گئی۔

ساتویں امتیازی علامت

عذاب الٰہی کا ایک اور امتیاز یہ ہے کہ عذاب اس وقت تک انتظار کرتا ہے جب تک نبی ہلاک ہونے والی بستی چھوڑ کر نہ چلا جائے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۞

(سورہ انفال آیت ۳۴)

اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز عذاب نہیں دے گا کہ تو ان کے اندر موجود ہو۔

ظاہر بات ہے کہ حوادث کسی کا انتظار نہیں کرتے۔ پس وہ حوادث جو کسی خاص وجود یا نیک لوگوں کی خاطر رکے رہیں اور اس بات کا انتظار کرتے رہیں کہ وہ ہلاک ہونے والی بستی کو چھوڑ دیں تو پھر یہ سرگرم عمل ہوں۔ مذہبی اصطلاح میں ایسے حوادث کو عذاب الٰہی کہا جاتا ہے۔

اس جہت سے جب ہم اس سوال پر نظر ڈالتے ہیں کہ انبیاء اور ان کی قومیں کس طرح عذاب کے چنگل سے بچ گئیں تو اس کا ایک جواب یہ سامنے آتا ہے کہ یا تو وقت سے پہلے خبردار ہونے کی بناء پر انبیاء اپنے ساتھیوں کو لے کر ہلاک ہونے والی جگہوں کو چھوڑ چکے تھے یا خود ان کی قوموں نے انہیں اپنے آبائی وطنوں سے جلاوطن کر دیا تھا۔ پس عذاب الٰہی اس وقت آیا جب وہ ان بستیوں میں موجود نہ تھے

یہاں ضمناً اس اعتراض کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر مخالفین کی طرف سے کیا جاتا ہے کہ زلزلے کے وقت کیوں بستی کو چھوڑ کر باہر باغات میں خیمہ زن ہو گئے۔ کم فہم معاندین بڑے تمسخر سے اس بات کا ذکر کرتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ قرآن کریم کی پیش کردہ تعلیم کی رو سے سنت انبیاء یہی چلی آ رہی ہے کہ عذاب کی خبر کے بعد اس سے بچنے کے ظاہری اسباب ضرور اختیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خود انہیں ہر قسم کی پیش بندی کا ارشاد فرماتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ عذاب الٰہی کو خبر سن کر انبیاء عین بیچ مقام عذاب کے ڈیرہ ڈال لیں۔

عذاب کی بعض قسمیں ایسی بھی ہوا کرتی ہیں جن سے بچنے کے لئے بظاہر کوئی ظاہری ذریعہ اختیار نہیں کیا جاتا لیکن اس کے باوجود وہ عذاب الٰہی خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کو ہلاک کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اس نوعیت کے عذابوں کے متعلق چونکہ انبیاء کو پہلے سے مطلع کر دیا جاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ جس حد تک انہیں احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا ارشاد فرماتا ہے اس سے بڑھ کر وہ کوئی تدبیر اختیار نہیں فرماتے۔ پھر بھی وہ دشمن جو ہر طرح کی تدابیر اختیار کرنے پر قادر ہوتا ہے وہ تو عذاب کی زد سے بچ نہیں سکتا لیکن انبیاء اور ان کے ساتھی بعض نامعلوم محرکات کی بناء پر اس کی پکڑ سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس کی مثال تاریخ انبیاء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ملتی ہے جبکہ بنی اسرائیل کو صرف ایک احتیاطی تدبیر اختیار کرنے کا ارشاد ہوا۔ یعنی خمیر کھانے سے روک دیا گیا۔ اسکے علاوہ کوئی اور ایسی تدبیر اختیار نہیں کی گئی جس کا صحف

سابقہ یا تاریخ میں ذکر ملتا ہو۔ فرعون کی قوم اس کے برعکس ہر قسم کی وبائی امراض کے مقابلہ کے لئے تمام معلوم ذرائع اختیار کرنے پر آزاد تھی لیکن جب بعض وبائی بیماریوں نے جن کا تعلق خون سے تھا ان کی قوم پر حملہ کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے انہی لوگوں میں رہنے کے باوجود ان بیماریوں سے بچ گئے۔ اور فرعون کی قوم عموماً ان کا شکار ہو گئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اس کی مثال طاعون کے عذاب کی شکل میں ملتی ہے جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

ایک اور اہم سوال

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کے مخالفین اگر صفحہ ہستی سے مٹا دئے گئے اور نوح علیہ السلام کے منکرین کا نشان باقی نہیں رکھا گیا اور موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے والے نیل کی موجوں کی نذر ہو گئے اور داؤد علیہ السلام کے دشمنوں کی صف اگر لپیٹ دی گئی اور عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو ان کے منکرین پر ایسا عظیم الشان غلبہ حاصل ہو گیا کہ وہ جو کبھی تعداد میں کم تھے وہ غالب اکثریت میں تبدیل ہو گئے اور وہ جو کبھی محکوم اور مظلوم تھے حاکم اور جابر بن گئے پھر کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو سب نبیوں کے سرتاج اور سردار اور خاتم المرسلین ہیں آپ کی تائید میں عذاب الٰہی نے وہ معجزات نہ دکھائے کہ جو گزشتہ انبیاء کی تائید میں دکھا چکا تھا اور کیوں آج تک آپ کو اپنے مخالفین پر اتنا غلبہ بھی نصیب نہیں ہو سکا جتنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکرین پر حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والوں کو واقعہ صلیب کے چند سو سال کے اندر نصیب ہو گیا؟۔

اس کے جواب میں پہلا قابل توجہ امر یہ ہے کہ قرآن کریم نے کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ عذاب الٰہی کا مقصد بلا استثناء ہمیشہ یہی ہوا کرتا ہے کہ مخالف قوم کلیۃً مٹا دی جائے۔ اگرچہ قرآن کریم بعض ایسی قوموں کا ذکر بھی کرتا ہے جن کے متعلق یہی فیصلہ ہو چکا تھا کہ ان کا نام و نشان مٹا دیا جائے لیکن اسے قاعدہ کلیہ کے طور پر پیش نہیں کرتا۔ ہاں اگر قاعدہ کلیہ ہے تو صرف یہ کہ عذاب الٰہی کے نتیجہ میں انبیاء کی جماعتوں کو اپنے مخالفین کی جماعتوں پر لازماً غلبہ نصیب ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات اس غلبہ کے بعد مخالف قوم کا ایک حصہ باقی رکھا جاتا ہے اور اس کے باقی رکھے جانے میں بھی ایک عذاب کا پہلو ملتا ہے۔ دنیا میں متعدد ایسی خانہ بدوش قومیں ملتی ہیں جو سخت ذلت اور رسوائی کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ اگر ان کی تاریخ کا تتبع کیا جائے تو بعید نہیں کہ اس خطہ زمین کے کسی صاحب جلال نبی کے انکار کے نتیجہ میں ان کے ابتدائی مولد و مسکن پر لعنت کی گئی اور وہ اس قوم کے لئے عبرت کا نشان بن کر پیچھے چھوڑ دی گئی ہوں۔ لیکن یہ کوئی تحقیق شدہ مسئلہ نہیں محض ایک امکان ہے جہاں تک ٹھوس تاریخی حقائق کا تعلق ہے قرآن کریم اس ضمن میں یہود کی مثال پیش کرتا ہے۔ چنانچہ یہود کا باقی رکھا جانا اس طرز عذاب کی ایک مثال ہے اور قرآن کریم کی پیش گوئی کے مطابق ان کی ذلت اور رسوائی کی کہانی کو قیامت تک زندہ رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ قرآن کریم اس ضمن میں فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی خبر دے دی گئی تھی کہ۔

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

(آل عمران ۵۶)

ترجمہ۔ میں تیرے ماننے والوں کو تیرے منکرین (یہود) پر قیامت تک غالب رکھوں گا۔

یہ پیش گوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وصال سے تین سو سال کے اندر نہایت شاندار رنگ میں پوری ہو گئی اور آج تک قرآن کریم کی صداقت پر ایک زندہ نشان بنی ہوئی ہے۔ عجیب بات ہے کہ اناجیل یا عہد نامہ جدید میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ حالانکہ یہ ایک ایسی اہم اور شاندار پیش گوئی تھی کہ بائبل کو اول طور پر اس کا ذکر کرنا چاہئے تھا۔ تاہم بائبل خاموش رہی اور قرآن کریم نے اس کا ذکر فرما دیا۔ اور اس وقت سے آج تک دنیا کی تاریخ قرآن کریم کے اس بیان کی تصدیق کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہاں ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عذاب الٰہی کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ کسی قوم کی ذلت اور مغلوبیت کی حالت میں مغضوب علیہم بنا کر قیامت تک زندہ رکھا جائے۔

بقیہ صہ ۱۴ پر

خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۸ جنوری ۱۹۹۴ء بمقام مسجد فضل لندن

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله. أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم. ﴿بسم الله الرحمٰن الرحيم. الحمد لله رب العٰلمين. الرحمٰن الرحيم. مٰلك يوم الدين. إياك نعبد وإياك نستعين. اهدنا الصراط المستقيم. صراط الذين أنعمتَ عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين.﴾ (آمين)

تشہد، تعوذ اور سورہ فاتحہ کے بعد مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت کی:

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا
مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا
جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۲﴾

(النحل آیت ۶۲)

ذکر الٰہی کا جو مضمون جاری ہے۔ اس آیت کا اس سے کیا تعلق ہے اس کے متعلق میں انشاء اللہ آج گفتگو کروں گا اور اس کی تفصیل میں جاتے ہوئے حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی ایک حدیث کی روشنی میں حضرت داؤد علیہ السلام کے کردار پر اور آپ کی مناجات پر جو روشنی پڑتی ہے وہ میرا آج کے خطبے کا موضوع ہے۔

پاکستان میں جماعت احمدیہ کے اجتماعات

لیکن اس سے پہلے کچھ اعلانات ہیں۔ آج جماعتہائے احمدیہ ضلع اسلام آباد، ضلع راولپنڈی، ضلع لودھراں اور گوجرانوالہ شہر کے سالانہ جلسے ہو رہے ہیں۔ یہ سالانہ جلسوں کا نظام یعنی جگہ جگہ پر سالانہ جلسے منانا اس وجہ سے جاری ہوا کہ ربوہ کے سالانہ جلسے پر ایک لمبے عرصہ سے پابندی عائد ہے۔ یہ سلسلہ حکومت نے جبراً بند کر دیا۔ نظام جماعت میں سالانہ جلسے کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، ایک خاص مقام اور مرتبہ ہے اور سالانہ جلسوں کے نتیجے میں جماعتوں کی تربیت پر بہت گہرا اثر پڑتا تھا اس لئے متبادل کے طور پر پاکستان میں یہ نظام جاری ہوا کہ بعض علاقے اپنا اپنا سالانہ جلسہ کیا کریں اور اس طرح سالانہ جلسے کی طرز پر مسیح موعود کا لنگر جاری ہو اسی طرح آپس میں علاقے کے لوگوں کا محبت کے ساتھ ملنا جلنا اور جس حد تک ممکن ہو اسی انداز کی تقریریں ہوں اور اس کے لئے مرکز سے مختلف علماء کو بھی وہاں بھجوایا جاتا تھا۔ پس اسی تسلسل میں یہ جلسے ہو رہے ہیں لیکن جیسا کہ پاکستان سے بہت سے لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ پہلے تو سال میں ایک دفعہ جلسہ ہوا کرتا تھا اب تو روز جلسے ہو رہے ہیں اور واقعتاً یہی کیفیت ہے جیسی جلسہ سالانہ کی کیفیت ہوتی تھی اور ساری جماعت پاکستان روز عید منا رہی ہے اسی لئے عملاً تو اب جلسے روزانہ ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے انشاء اللہ اور ان کا فیض پھیلتا رہے گا اور یہ پاکستان تک محدود نہیں رہے گا بلکہ سب دنیا پر محیط ہو گا تمام دنیا کی جماعتیں اب روزانہ ان جلسوں میں شامل ہوتی ہیں۔ لیکن پھر بھی اس یاد کو زندہ رکھنے کے لئے کہ ہم اپنے ایک حق سے محروم کئے گئے ہیں پاکستان میں یہ جلسوں کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔ یہ ایک قومی احتجاج ہے اور باشعور زندہ قومیں کبھی گلیوں میں جا کر احتجاج نہیں کیا کرتیں وہ اپنے مقاصد کو زندہ رکھنے کے لئے ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھنے کے لئے ان باتوں کو یاد کرتی ہیں جن کا تذکیر سے تعلق ہے۔ تذکیر سے مراد یہی ہے کہ اپنے آباؤ اجداد کی خوبیوں کو، ان کے چال چلن کو، ان کی دیگر باتوں کو ہمیشہ عزت سے یاد رکھا جائے تاکہ اس کے نتیجے میں آنے والی قوم کی نسلوں میں وہی یادیں کارفرما رہیں اور ان کے اعمال کو حسین سے حسین تر بناتی رہیں۔ پس اس تذکیر کے نفوذ کے پیش نظر پاکستان کی جماعتوں کو یہ جلسے اسی طرح جاری رکھنے چاہئیں۔ ہرچند کہ خدا نے اپنے فضل سے اب روز کا جلسہ عطا کر دیا ہے مگر حکومت پاکستان نے جو ہمارے بنیادی حق پر تبر رکھا ہے اس کی حیثیت تو تبدیل نہیں ہوئی وہ تو ابھی تک اسی طرح ہے۔

اس کے علاوہ آج ضلع خوشاب کی جماعتوں کے تین جگہ پر جلسے ہیں اور امریکہ سے اطلاع ملی ہے کہ ہوسٹن میں ناصرات الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ کا لوکل اجتماع منعقد ہو رہا ہے۔ ان سب کو احباب اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

آیت کا مفہوم

جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی تھی اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کے ظلموں پر نظر رکھتا تو سطح زمین پر ایک جاندار کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔ اس آیت کا حقیقی عرفان در حقیقت انبیاء کو ہوتا ہے اور اس آیت کے عرفان کے نتیجے میں ان میں ایک حیرت انگیز عاجزی پیدا ہو جاتی ہے انسان خواہ کتنے ہی بڑے مقام پر کیوں نہ پہنچ جائے اس کی بنیادی بشری کمزوریاں ایسی ہیں کہ جو اسے پوری طرح خدا کی عبادت کا حق ادا نہیں کرنے دیتیں۔ پس ظلم سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ کسی پر زیادتی کی جائے یا کھلم کھلا گناہ کیا جائے۔ یہاں ظلم سے مراد کوتاہیاں ہیں۔ تو انسان کی کوتاہیاں ایسی ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ان پر نظر رکھتا تو تمام مخلوقات کو ہلاک کر دیتا۔

حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اس مضمون کو یوں بیان فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں کی خوبیوں پر نظر رکھتا ہے اور ان خوبیوں کے رستے ان سے تعلق قائم فرماتا ہے۔ اگر بندے کی بدیاں سامنے رکھتا تو کسی بندے سے اس کا کوئی تعلق نہ رہتا کیونکہ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی کمزوری ایسی ہے اسکی بعض عادتیں، بعض بشری کمزوریاں خدا تعالیٰ کی شان سے اتنا نیچے ہیں کہ اس کے نتیجے میں اللہ کا تعلق اس سے قائم ہو نہیں سکتا۔ اب نیک سے نیک انسان کا بھی آپ تصور کرلیں اسکی روزمرہ کی بشری حاجات ایسی ہیں وہ کسی جگہ جاتا ہے تو دعا مانگتا ہے اللہ میں خبث سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں خبائث سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔ روزمرہ کی انسانی زندگی کا دستور ایسا ہے کہ ایک کامل روحانی ذات کے ساتھ کامل تعلق قائم ان معنوں میں ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ بعض دفعہ اپنے تعلق والوں میں ایک معمولی سی بدی دیکھتے ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہیں۔ طبیعت میں کراہت پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض خاوند بڑے شوق سے بیویاں بیاہ کے لاتے ہیں اور ان کے اندر کوئی مکروہ عادت دیکھتے ہیں تو دل سے اتر جاتی ہیں۔ بعض بیویاں بڑے شوق سے بعض مردوں سے بیاہ کرتی ہیں اور اس کے بعد ان کا دل نہیں لگتا، ایسے کئی معاملات میرے سامنے آتے رہتے ہیں پوچھا جائے تو کہتے ہیں ہمیں پتہ ہی نہیں تھا اس میں یہ عادت ہے اور یہ عادت تو ہم برداشت کر ہی نہیں سکتے۔ ایک لڑکی نے لکھا کہ میرے خاوند میں عورتوں کی طرح چغلی کی عادت ہے اور میں کسی قیمت پر ایسے شخص کے ساتھ نہیں رہ سکتی تو اس قسم کے چھوٹے چھوٹے نقائص انسان، انسان میں برداشت نہیں کرتا حالانکہ اس سے بہت زیادہ نقائص اس کے اپنے اندر بھی ہوتے ہیں تو اللہ کی شان دیکھیں کتنی بلند ہے اگر وہ اس طرح انسانوں کی کمزوریوں اور بدیوں پر نظر رکھتا تو حضرت اقدس محمد مصطفےٰ اصدق الصادقین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم فرماتے ہیں اس کا کسی بشر سے کوئی تعلق نہ رہتا۔ پس اسی مضمون کو یہ آیت بیان فرما رہی ہے لیکن ایک اور رنگ میں، اس طرح کہ یہ نہیں فرماتا کہ ہر بندے سے تعلق کٹ جاتا، فرماتا ہے زمین پر میں کوئی جاندار زندہ نہ چھوڑتا۔ اب انسانوں کی غلطیوں میں جانداروں کا کیا قصور؟ اس میں بہت گہرا فلسفہ یہ سمجھایا گیا ہے کہ تمام مخلوقات اپنی ذات میں پیدا کرنا مقصود ہی نہیں تھی انسان پیدا کرنا مقصود تھا اور انسان کی خاطر یہ مختلف زندگیوں کی صورتیں پیدا کی گئیں اور انسان کے فائدے میں پیدا کی گئیں۔ زندگی کی ہر شکل اس کا خواہ کیسا ہی بھیانک تصور آپ کے ذہن میں ہو کوئی نہ کوئی فائدہ اس عالمی وسیع اسکیم میں رکھتی ہے یعنی اس کا کوئی نہ کوئی کردار ایسا ہے جو خدا تعالیٰ کی وسیع تخلیق کی اسکیم میں ادا کر رہی ہے اور کوئی چیز فائدے سے خالی نہیں ہے۔ پس اس پہلو سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر انسان سے میرا تعلق ٹوٹ جائے تو مخلوقات کو پھر زندہ رکھنے کا مقصد کوئی نہیں رہتا۔ جس کی خاطر پیدا کی گئی تھی وہی نہیں رہا تو ان کے رہنے سے فائدہ۔

پس انسان کی سزا مخلوقات کو نہیں دی جائے گی لیکن چونکہ وہ انسان کی خاطر پیدا کی گئی تھیں اس لئے بے کار ہو جائیں گی۔ اس مضمون کے پیش نظر انبیاء میں غیر معمولی انکسار پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس طرح اپنے خدا کے حضور عاجزی اور گناہوں کا اقرار کرتے ہیں کہ ایک عام دنیا کا انسان حیران ہو کر دیکھتا ہے کہ جن کو میں بے داغ سمجھتا تھا جن کو میں سب سے اوپر سمجھتا تھا ان کا یہ حال ہے پتہ نہیں کیا کیا گناہ ان سے سرزد ہوئے ہیں جو اتنے بد نتیجے مرتب کر رہا ہے۔

انبیاء سے انکسار سیکھیں

پس وہ لوگ جو تکبر کے کیڑے رکھتے ہیں ان کو اس مضمون کا عرفان حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر اپنی ذات میں انسان اتر کے دیکھے تو پھر اس کو پتہ چلے گا کہ کتنے داغوں سے پُر ذات ہے اتنے داغ ہیں کہ ان داغوں سے سینہ چھلنی ہو جاتا ہے۔ ایسے چھلنی ہو جاتا ہے کہ نیک اعمال ان میں رہ نہیں سکتے اور انسان اپنے زعم میں سمجھتا ہے کہ میں بہت کچھ آخرت کے لئے جمع کر رہا ہوں۔ انبیاء سے انکسار سیکھیں پھر آپ کو ذکر الٰہی سے فائدہ پہنچے گا کیونکہ ذکر الٰہی سے بعض دفعہ تکبر بھی پیدا ہو جاتا ہے اور کئی چھوٹے ظرف کے لوگ، چھوٹے دل کے لوگ تھوڑی سی نیکیاں کرتے ہیں تھوڑا سا خدا کو یاد کرتے ہیں اور اپنے تئیں اپنے آپ کو بہت بڑا بزرگ بنا لیتے ہیں اور بجائے اس کے وہ اور گریں اور زیادہ عاجزی اختیار کریں، ان کے سربلند ہونے لگ جاتے ہیں حالانکہ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ جتنا اللہ کو یاد کرو اتنا جھکتے چلے جاؤ اور دعاؤں کی رفعتوں کا راز اس میں ہے کہ انسان کا سر سب سے زیادہ خدا کے حضور جھکا ہوا ہو۔ میں نے پہلے خطبہ میں یہ بیان کیا تھا کہ ہماری نمازوں کا ہر سجدہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ وہ کیفیت جس سے سر زمین سے لگ لیا ہے اس سے نیچے جا نہیں سکتا۔ اس وقت ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ کہو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی ۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی۔ کہ میرا تو یہ حال ہے کہ میں زمین پر اپنی پیشانی رگڑ رہا ہوں اور میں نے اپنے آپ کو سب سے زیادہ ذلیل اور حقیر تر کر دیا ہے لیکن میرا رب جو ہر بدی سے پاک ہے، سب سے اعلیٰ ہے اور اسی کے تعلق میں میں اعلیٰ ہو سکتا ہوں اس کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پس جتنا انسان ذکر الٰہی کے نتیجے میں انکسار حاصل کرتا ہے وہ اتنا خدا کے حضور جھکتا ہے اتنا ہی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رفعتیں عطا ہوتی ہیں اور یہ رفعتیں اللہ کا فضل ہے۔ انسان کا مقام وہی ہے جو سجدے میں ہے خدا کے حضور مٹی ہو جانا اس کے سوا انسان کا کوئی مقام نہیں کہ جتنی رفعتیں نصیب ہوتی ہیں فضل سے نصیب ہوتی ہیں اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ وسلم نے اس مضمون کو بار بار کھولا ہے خود اپنی ذات کے حوالے سے کھولا ہے فرمایا میں بھی نہیں بخشا جاؤں گا جب تک فضل نہیں ہو گا اور دنیا کے عام چھوٹے چھوٹے انسان معمولی نیکیوں پر بھی شیخیاں بگھارنے لگتے ہیں اور دوسروں کو حقارت سے دیکھنے لگتے ہیں معاشرے کی بہت سی بدیاں اس راز کو نہ پانے کے نتیجے میں ہیں۔ ایک انسان میں، ایک خاندان میں برائی دیکھیں تو کس طرح زبانوں پہ وہ برائیاں اچھلتی پھرتی ہیں ایک زبان دوسری زبان سے اٹھاتی ہے اور آگے چلاتی ہے گویا کہ یہ تو ذلیل لوگ ہیں اور ہم پاک صاف ہیں۔ بنیادی کیڑا دماغ میں یہی ہوتا ہے۔ دوسرے کو فوراً گنہگار اور حقیر جان لینا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اس کے نتیجے میں اصلاح کی کوشش نہیں ہوتی۔ اس کے نتیجے میں معاشرے اور بگڑتے ہیں اور تکبّر سے کبھی کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ یہ وہ کڑوی بیل ہے جس کو کبھی میٹھا پھل نہیں لگ سکتا۔ پس جن کے اندر ذکر الٰہی عاجزی پیدا کرتا ہے ان کا سمجھانے کا انداز اور ہوتا ہے اور جو لوگ چھوٹے دل کے اور کم ظرف لوگ ہوتے ہیں وہ تیز زبانوں کے ساتھ پھر دوسروں پہ حملے کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں ہمارا حق ہے معاشرے کی اصلاح کی خاطر ہم یہ کر رہے ہیں۔

ہم نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ کو قادیان میں دیکھا ہے وہ فرشتے انسانوں کے روپ میں گلیوں میں پھرتے تھے ان سے کبھی ہم نے تلخ کلامی نہیں سنی۔ ہماری برائیاں دیکھتے تھے ہمارے عیوب پر نظر رکھتے تھے بڑی محبت اور پیار سے الگ ہو کر ہمیں سمجھایا کرتے تھے لیکن کبھی تیز زبان سے لوگوں کے دلوں پر چرکے لگاتے ہم نے ان کو نہیں سنا لیکن ان کے مقابل پر ایسے لوگ بھی تھے جو ہر وقت اسی مشغلے میں رہتے تھے کہ فلاں میں یہ برائی ہے۔ فلاں میں یہ برائی ہے۔ فلاں فلاں کا بیٹا ہے دیکھو اسکی حرکتیں کیا ہیں اور اسی طرح انہوں نے اپنی عمریں ضائع کر دیں اور اپنی اولادیں ہاتھ سے ضائع کر دیں کیونکہ وہ لوگ جو نیکی میں انکسار رکھتے ہیں اللہ ان کی اولاد کی حفاظت فرماتا ہے اور وہ لوگ جو نیکی میں تکبر اختیار کر جاتے ہیں وہ پھر بعض دفعہ بغیر نیکی کے بھی اچھلنے لگتے ہیں اور ان کی نیکیاں تو ویسے ہی ضائع ہو جاتی ہیں ان کی اولادوں کو ہم نے پھر بہت کم بچتے دیکھا ہے اکثر ضائع ہو جاتی ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی مثال

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ وسلم نے اللہ کی محبت اور ذکر کے بیان میں حضرت داؤد علیہ السلام کا نام لیا ہے اور اس میں خاص حکمت ہے۔ انبیاء میں سے جو سب نبیوں کا سردار ہے وہ ایک نبی کی مثال پیش کر رہا ہے جو اس کے مقابل پر ایک ادنیٰ آسمان سے تعلق رکھتا تھا۔ فرماتے ہیں:

عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رسولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم، کَانَ مِنْ دعاءِ داودَ علیہ السلام: اَللّٰھُمَّ اِنِّي اَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِيْ يُبَلِّغُنِيْ حُبَّکَ۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ وَاَھْلِيْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ۔ (ترمذی، کتاب الدعوات)

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ وسلم نے فرمایا داؤدؑ یوں دعا مانگا کرتے تھے۔ بڑے پیار کے ساتھ حضرت داؤدؑ کا نام لیا ہے کیونکہ دعا وہ تھی جو عین آپ کے دل کی آواز تھی اور کیا کیفیت ہو گی ہم اس کا تصور نہیں کر سکتے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ وسلم نے اپنے دل کی آواز کو ایک اور نبی کی زبان میں سنایا ہے فرماتے ہیں یہ دعا مانگا کرتے تھے اے میرے اللہ میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں

وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّکَ

اور اسکی محبت مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت میں بڑھائے

وَالْعَمَلَ الَّذِيْ يُبَلِّغُنِيْ حُبَّکَ۔

اور ایسے اعمال مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دیں

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَيَّ

اے میرے اللہ اپنی محبت کو میرے لئے بنا دے اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ میری جان سے بھی زیادہ پیاری۔ وَاَھْلِيْ اور میرے اہل و عیال سے بھی زیادہ پیاری وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ۔ ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ پیاری۔ جب جان جاتی ہو تو پانی کتنا پیارا لگتا ہے اور پھر ٹھنڈا پانی۔ فرمایا اس کیفیت میں جس طرح انسان پانی کے لئے مچلتا ہے اس سے پیار ہو جاتا ہے اس سے بھی زیادہ مجھے اے اللہ اپنی محبت عطا فرما۔

حضرت داؤدؑ کے اندر وہ کیفیت جو میں نے بیان کی ہے کہ ذکر کے ساتھ عجز بڑھتا چلا جائے یہ کیفیت بڑی شان کے ساتھ پائی جاتی ہے اور اس پہلو سے زبور کو تمام کتب میں ایک عظیم مقام حاصل ہے اور زبور کے گیت آج تک پڑھتے ہوئے وجد سا طاری ہو جاتا ہے کس طرح اللہ کی محبت میں آپ نے گیت گائے ہیں اور یہ اس دعا کا نتیجہ ہے۔

پھر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ وسلم نے آپؑ کی فطرت کا جو مرکزی نقطہ پکڑ لیا ہے جس کے نتیجے میں آپ کو پھر سب رفعتیں عطا ہوئی ہیں۔ پس آج بھی جب ہم ذکر الٰہی کی باتیں کرتے ہیں تو بہت سے ایسے مقامات آتے ہیں کہ خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ ہم میں ان رفعتوں کو حاصل کرنے کی کہاں طاقت ہے اور دل ڈرتا ہے اور اسی مضمون کے خطوط مجھے سب دنیا سے آتے ہیں کہ آپ نے وہ وہ باتیں شروع کر دی ہیں کہ ہم تو اپنے آپ کو بالکل اہل ہی نہیں پاتے ہمیں کیسے یہ باتیں نصیب ہوں گی اور دل ڈرتا ہے کہ اگر نہیں ہوں گی تو ہم گنہگار نہ ہو جائیں اس کا جواب میں آج دے رہا ہوں۔

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ وسلم نے فرمایا تم داؤد کی دعا مانگا کرو اس کے نتیجے میں اللہ نے اسے اپنی محبت عطا کی اور اپنی محبت میں گیت گانے کی صلاحیتیں عطا کیں۔ یہ عشق کے ترانے حضرت داؤدؑ کے زبور میں ملتے ہیں اس کی مثال آپ کو دوسرے نبیوں کی کتب میں نظر نہیں آئے گی۔ فرماتے ہیں (زبور باب ۶۹ آیت ۳ تا ۵

حضرت داؤد علیہ السلام کی مناجات

"میں چلاتے چلاتے تھک گیا میرا گلا سوکھ گیا میری آنکھیں اپنے خدا کے انتظار میں پتھرا گئیں مجھ سے بے سبب عداوت رکھنے والے میرے سر کے بالوں سے زیادہ ہیں میری ہلاکت کے خواہاں اور ناحق دشمن زبردست ہیں پس جو میں نے چھینا نہیں مجھے دینا پڑا۔ اے خدا تو میری حماقت سے واقف ہے اور میرے گناہ تجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں"
بندوں کے اعتبار سے کہہ رہے ہیں جو میں نے چھینا نہیں مجھے دینا پڑا۔ ناکردہ گناہ کی سزا پا رہا ہوں لیکن دعا کرتے وقت یہ نہیں کہتے کہ اے خدا میں معصوم ہوں میری خاطر کچھ کر۔ اللہ تعالیٰ کا کتنا گہرا عرفان تھا اسکی طرف منہ موڑتے ہیں تو کہتے ہیں اے خدا تو میری حماقت سے واقف ہے میرے گناہ تجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ میں کس منہ سے مانگوں مگر تیرے سوا مانگوں کس سے؟ اسی درد کی کیفیت کو کہ سر سجدے میں پڑا ہے اور انتظار ہے کہ خدا آ کیوں نہیں رہا، حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں بیان کرتے ہیں۔

شور کیسا ہے ترے کوچے میں لے جلدی خبر
خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

یہ وہ مناجات ہیں جو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اپنے عجز میں زمین پر بچھی ہوئی ہیں لیکن آسمان تک رفعتیں پا جاتی ہیں۔ حضرت داؤدؑ کا ایک اور عشق باری کا گیت ہے آپ کہتے ہیں:
"اے خداوند میں تیری تمجید کروں گا کیونکہ تو نے مجھے سرفراز کیا ہے اور میرے دشمنوں کو مجھ پر خوش نہ ہونے دیا"
پہلے دعا مانگی تھی کہ میرے دشمن میرے سر کے بالوں سے بھی زیادہ ہیں اب یہ قبولیت دعا کی طرف اشارہ ہے "اور میرے دشمنوں کو مجھ پر خوش نہ ہونے دیا" تو سُبحان الذی اخزی الاعادی، جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں ملتا ہے وہی مضمون ہے۔
"اے خداوند میرے خدا میں نے تجھ سے فریاد کی اور تو نے مجھے شفا بخشی۔ اے خدا تو میری جان کو پاتال سے نکال لایا۔"
میرا مقام تو یہ تھا کہ میں زمین کی سب سے نچلی گہرائی میں تھا۔ کتنا پیارا کلام ہے
"اے خدا تو میرے جان کو پاتال سے نکال لایا۔ تو نے مجھے زندہ رکھا ہے کہ گور میں نہ جاؤں۔ خداوند کی ستائش کرو۔ اے اس کے مقدسو! اس کے قدس کو یاد کرکے شکر گزاری کرو کیونکہ اس کا قہر دم بھر کا ہے اس کا کرم عمر بھر کا۔"
لیکن ایک بات جو قرآن نے بیان فرمائی اور وہ یہاں کھل کھلا دکھائی نہیں دے رہی وہ یہ ہے کہ اس کا ایک دم کا قہر بھی ساری عمر کی نیکیوں کو برباد کر دیتا ہے۔ اس لئے یہ نہ سمجھیں کہ ایک دم کا غضب ہے اس لئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ ایک دم کا غضب سب کچھ فنا کر جاتا ہے جب سیلاب آتے ہیں تو گذر بھی جاتے ہیں پھر زندگی معمول پر آ جاتی ہے مگر ڈوب گئے وہ تو ڈوب گئے۔ سیلاب جو علاقے ویران کر گیا وہ فصلیں تو پھر دوبارہ نہیں آسکتیں اس لئے دم بھر کے غضب میں بہت کچھ ہو جاتا ہے انسان کی ساری زندگی رائیگاں چلی جاتی ہے۔
"رات کو شاید رونا پڑے اور صبح کو خوشی کی نوبت آتی ہے"
رات کو شاید رونا پڑے کیونکہ خدا کے حضور جو راتوں کو روتے ہیں انہی کو صبح خوشی کی نوبت آتی ہے
"میں نے اپنی اقبال مندی کے وقت یہ کہا تھا کہ مجھے کبھی جنبش نہ ہوگی۔ اے خداوند تو نے اپنے کرم سے میرے پہاڑ کو قائم رکھا تھا"۔
اس میں ایک پوری داستان ہے اللہ تعالیٰ سے محبت کی باتیں کرنے اور خدا سے وفا کے وعدے کرنے کی۔ کہتے ہیں میں نے اپنی اقبال مندی کے وقت یعنی جب تو نے مجھے سرفراز فرمایا اور مجھے اپنا بنا لیا یہ عرض کیا تھا کہ مجھے کبھی جنبش نہ ہوگی میں اب کبھی اس راستے سے ٹلوں گا نہیں لیکن مجھ میں کہاں طاقت تھی کہ میں اس عہد پر قائم رہتا۔ اے خداوند تو نے اپنے کرم سے میرے اس پہاڑ کو قائم رکھا۔ محض تیرا کرم اور فضل تھا کہ میرے پہاڑ کو میرے عزم کے پہاڑ کو ثبات عطا ہوا ہے اور واقعتاً مجھے کبھی جنبش نہیں ہوئی۔
"جب تو نے اپنا چہرہ چھپایا تو میں گھبرا اٹھا۔ اے خداوند میں نے تجھ سے فریاد کی میں نے خداوند سے منت کی۔ جب میں گور میں جاؤں تو میری موت سے کیا فائدہ۔ کیا خاک تیری ستائش کرے گی کیا وہ تیری سچائی کو بیان کرے گی۔"
اس سے مراد ظاہر قبر نہیں ہے۔ ظاہری قبر میں تو ہر انسان جانتا ہے کہ میں نے بہر حال جانا ہے اور خدا کی ستائش پھر بھی باقی رہے گی۔ یہ وہی گور ہے جس کے متعلق حضرت داؤدؑ پہلے کہہ چکے ہیں کہ "تو نے مجھے گور سے نکالا" یعنی خدا تعالیٰ سے دُوری کے اندھیرے۔ خدا تعالیٰ کے وصل سے پہلے کی کیفیت۔ تو عرض کرتے ہیں کہ اے خدا اگر میں گور میں چلا گیا تو میری مٹی تو بے کار ہو جائے گی وہ مٹی جو روحانی لحاظ سے مر جائے وہ تو تیری ستائش نہیں کر سکتی۔
"سن لے اے خداوند اور مجھ پر رحم کر۔ اے خداوند تو میرا مددگار ہو تو نے میرے ماتم کو ناچ سے بدل دیا۔"
یعنی ایک طرف گریہ وزاری کرتے ہیں تو خدا کی طرف سے خوشخبری پاتے ہیں اور کیسا پیارا نقشہ کھینچا ہے
"تو نے میرے ماتم کو ناچ سے بدل دیا تو نے میرا ٹاٹ اتار ڈالا اور مجھے خوشی سے کمربستہ کیا تاکہ میری روح تیری مدح سرائی کرے اور چپ نہ رہے۔ اے خداوند میرے خدا میں ہمیشہ تیرا شکر کرتا رہوں گا۔"
پس حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ذکر الٰہی کے تعلق میں جس نبی کی مثال چنی ہے دیکھیں کس شان کے ساتھ اس پر چسپاں ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے کلام کو سرسری نظر سے نہ دیکھیں اس میں گہرے حکمتوں کے راز ہوتے ہیں یہ فوراً دل میں خیال اٹھنا چاہئے کہ داؤد کو کیوں چن لیا بڑے بڑے پاک باز اور بڑے بڑے بلند مرتبہ نبی اس سے پہلے گذر چکے ہیں اور قرآن نے ان کا بڑی شان سے ذکر فرمایا تو محمد رسول اللہؐ نے داؤدؑ کو کیوں چنا ہے صرف اس لئے کہ حضرت داؤدؑ کو یہ خاص مرتبہ حاصل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی محبت کے گن گانے کا سلیقہ خود عطا فرمایا تھا اور اس دعا کے نتیجے میں جس دعا کو حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ہمارے لئے محفوظ فرمایا اور آئندہ ہمیں پڑھنے کی ہدایت کی۔ یہ حدیث قدسی ہے کیونکہ کوئی نبی بھی اپنی طرف سے کلام نہیں کرتا سوائے خدا کے اشارے کے۔ مگر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اس معاملے میں سب نبیوں سے ممتاز ہیں کوئی ایک ادنیٰ سا کلمہ بھی آپ نے اپنے دل سے اپنی جان سے نہیں کہا وہی کہا جو اللہ چاہتا تھا کہ آپ کہیں اور جو اللہ کا منشاء تھا۔ پس بسا اوقات قرآن کے علاوہ بھی آپ پر وحی نازل ہوئی بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ گویا آپ ہمیشہ ایک وحی کی کیفیت میں زندہ رہے اور آپ کی رؤیا بھی وحی تھی۔ پس یہ جو باتیں ہیں یہ وحی کے سوا نصیب نہیں ہو سکتیں۔ پس حضرت داؤد کے ذکر کو آپ نے جو چنا ہے اور خاص معین دعا کے ساتھ۔ یہ دعا آسمان سے آپ پر نازل فرمائی گئی اور اس حکمت کے پیش نظر کہ لوگ حضرت داؤد کی مناجات کی طرف توجہ کریں اور ان سے استفادہ کریں۔
عرض کرتے ہیں:
"اے خدا میرا انصاف کر اور بے دین قوم کے مقابلے میں میری وکالت کر اور دغاباز اور بے انصاف آدمی سے مجھے چھڑا کیونکہ تو ہی میری قوت کا خدا ہے تو نے مجھے کیوں ترک کر دیا۔ میں دشمن کے ظلم کے سبب سے کیوں ماتم کرتا پھرتا ہوں۔"
آپ جانتے ہیں، تمام انبیاء جانتے ہیں کہ اللہ نے انہیں چھوڑا نہیں ہے لیکن ایک نہایت دردناک عجز کی کیفیت ہے جس کا بیان ہے پس مراد یہ تھی کہ تو مجھے چھوڑ بھی دے تو تیرا حق ہے۔ پس بعض دفعہ محبوب کی آنکھوں میں ذرا بھی تغافل پیدا ہو تو محبت کرنے والا انسان یہی سوچتا ہے کہ مجھے چھوڑ دیا گیا ہے اس لئے یہ مراد نہیں کہ نعوذ باللہ خدا نے ترک کر دیا تھا دونوں باتیں ہیں۔ اس میں ایک عجز کا اظہار کہ اے میرے مولا تو ترک کر دے تو کوئی شکوہ نہیں یعنی میرا حق نہیں ہے کہ تو مجھے یاد رکھے اور دوسرا یہ مضمون کہ اے خدا میں جب بھی تیری طرف سے محبت کے آثار میں معمولی سی کمی دیکھتا ہوں بعض دفعہ ایک خاص وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے بعض دفعہ انسان پر ایک قبض کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور ہر حال میں خدا ایک ہی طرح ناراض نہیں ہوتا۔ پس وہ کیفیات جن میں کچھ محسوس ہو کہ شاید میرے آقا نے مجھ سے کوئی ایسی بات دیکھی ہے وہ پہلی سی بات اس کے پیار میں نہیں رہی ایسے وقت کی یہ دعا ہوتی ہے کہ اے خدا تو نے مجھے کیوں ترک کر دیا جیسے کہا جاتا ہے

یک عشق و ہزار بدگمانیست

ایک عشق اور ہزار بدگمانیاں اس سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ پس محبوب کے متعلق ہمیشہ یہ فکر کہ کہیں نظریں نہ پھیر لے اس سے پھر دعا کے یہ مضمون پیدا ہوتے ہیں جو آپ سن رہے ہیں۔
"کیونکہ تو ہی میری قوت کا خدا ہے تو نے مجھے کیوں ترک کر دیا میں دشمن کے ظلم کے سبب سے کیوں ماتم کرتا پھروں" تو میرا نہیں ہے کہ میں دشمن کے ظلم کے سبب سے ماتم

کرتا پھروں۔ اپنی نور اور سچائی کو بھیج۔ وہی میری راہبری کریں وہی مجھے تیرے کوہ مقدس اور تیرے مسکنوں تک پہنچائیں۔ تب میں خدا کے مذبح کے پاس جاؤں گا خدا کے حضور جو میری کمال خوشی ہے۔"

یہی مضمون ہے "ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں" تو ہر خوشی کا کمال اللہ کی ذات میں ہے اور اس سے تعلق میں ہے۔

"اے خدا میرے خدا! میں ستار بجا کر تیری ستائش کروں گا"

ستار بجا کر ستائش کرنا ایک خاص عشق کا مضمون ہے یہ مراد نہیں ہے کہ انبیاء ہاتھوں میں ستار پکڑ کے خدا کی عبادت کیا کرتے تھے یا اس کی ستائش کیا کرتے تھے۔ جیسے پنجابی میں کہتے ہیں خدا تعالیٰ سے محبت کی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ ساری رات ناچ کے میں روٹھا یار مناواں۔ وہ یہ نہیں کہ نعوذ باللہ من ذالک وہ بزرگ لوگ ساری ساری رات گاتے تھے ناچتے رہتے تھے۔ ان کی قبروں پہ جاہل تو ناچتے ہیں مگر وہ نہیں ناچا کرتے تھے۔ دل ناچا کرتے ہیں۔ روح وجد میں آتی ہے۔ انسان کی روح وہ مُرلی بجاتی ہے وہ سُر نکالتی ہے وہ آسمانی مُرلی ہے آسمانی مرلی کی سُر ہے۔ پس یہ اشارہ ہے

"میں ستار بجا کر تیری ستائش کروں گا۔ اے میری جان تو کیوں گری جاتی ہے تو اندر ہی اندر کیوں بے چین ہے خدا سے امید رکھ کہ وہ میرے چہرے کی رونق اور میرا خدا ہے۔"

کتنا عظیم کلام ہے اور اندر ہی اندر جان گھلی جاتی ہے۔ وہ نبی جن کا مرتبہ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ان کی ایک دعا کو پیار کی نظر سے دیکھتے ہیں ان کا تو یہ مرتبہ ہے یہ حال ہے اور چھوٹے چھوٹے نیکیاں کرنے والے لوگ وہ نیکیاں بھی اللہ بہتر جانتا ہے کہ نیکیاں تھیں بھی کہ نہیں خود ستائشی بھی ہوسکتی ہیں وہ تھوڑی سی نیکی پر تکبر سے دیکھیں کیسی کیسی چھلانگیں مارتے ہیں اور یہاں یہ کیفیت ہے کہ اندر ہی اندر میں کیوں بے چین ہوں جان گھلی جاتی ہے اس غم سے کہ کہیں میرے خدا کی نظر نہ مجھ سے پھر جائے "خدا سے امید رکھ کہ وہ میرے چہرے کی رونق اور میرا خدا ہے میں پھر اسکی ستائش کروں گا" پھر عرض کرتے ہیں:

"اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا تو میری مدد اور میرے نالہ فریاد سے کیوں دور رہتا ہے۔ اے میرے خدا میں دن کو پکارتا ہوں پر تو جواب نہیں دیتا اور رات کو بھی اور خاموش نہیں ہوتا لیکن تو قدوس ہے تو جو اسرائیل کی حمد و ثنا پر تخت نشین ہے"۔

جب میں نے   یہ بیان کیا کہ اصل عرش جس پر خدا تخت نشین ہوتا ہے رونق افروز ہوتا ہے وہ اس کے پاک بندوں کی حمد و ثنا ہے ورنہ کوئی ظاہری عرش دنیا میں ایسا نہیں ہے۔ فرشتے بھی جو اس کا تخت اٹھائے ہوئے کہا جاتا ہے وہ حمد و ثناء کا تخت ہے ورنہ ظاہری تخت کونسا ہے جس پر خدا بیٹھتا ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی مضمون کو بیان فرماتے ہیں اور حضرت داؤدؑ بھی یہی کہہ رہے ہیں تو جو اسرائیل کی حمد و ثنا پر تخت نشین ہے یہ تیرا عرش اسرائیل کی حمد و ثناء پر ہے۔ فرماتے ہیں۔

دیکھتا ہوں اپنے دل کو عرش رب العالمین
قرب اتنا بڑھ گیا جس سے ہے اترا مجھ میں یار

کہ میرے قرب کی وجہ سے میرا یار مجھ میں اترا ہے اور خدا کا قرب عرش عطا کرتا ہے یعنی قرب الٰہی کا بلندی سے ایک گہرا اٹوٹ تعلق ہے پس دل عرش بن جایا کرتے ہیں ورنہ ظاہری طور پر کوئی قرب نہیں ہوا کرتا۔ پھر حضرت داؤد کہتے ہیں "ہمارے باپ دادا نے تجھ پر توکل کیا انہوں نے توکل کیا اور تو نے ان کو چھڑایا" یعنی ہم تو وہ لوگ ہیں جو نسلاً بعد نسلٍ تیرے نوکر چلے آرہے ہیں "انہوں نے توکل کیا اور تو نے ان کو چھڑایا انہوں نے فریاد کی اور رہائی پائی انہوں نے تجھ پر توکل کیا اور شرمندہ نہ ہوئے پر میں تو کیڑا ہوں انسان نہیں۔"

کتنا عظیم کلام ہے جو حمد و ثناء کے ساتھ فوراً عجزی کی طرف مائل کر دیتا ہے پہلی دعا کا جو انداز تھا بالکل وہی انداز ہے جو حضرت داؤد کا یہاں بھی ہے۔ بظاہر یہ کہہ رہے ہیں جس طرح عام لوگ کرتے ہیں کہ   باپ دادا کی خاطر ہی ہمیں معاف فرما دے ہم بھی ان کی غلطیوں کے نشان ہیں۔

اور میں کس منہ سے مانگوں میں تو تیرا ہوں ان میں تو نیکیاں تھیں میں انسان نہیں ہوں آدمیوں میں انگشت نما ہوں اور لوگوں میں حقیر"۔ میں وہ ہوں جس کی طرف حقارت سے انگلیاں اٹھتی ہیں کہ ذلیل کیڑا ہے اس کو دیکھو۔ "وہ سب مجھے دیکھتے ہیں میرا مضحکہ اڑاتے ہیں وہ منہ چڑاتے ہیں اور سر ہلا ہلا کر کہتے ہیں اپنے کو خداوند کے سپرد کر دے وہی اسے چھڑائے جبکہ وہ اس سے خوش ہے تو وہی اسے   چھڑائے پر تو ہی مجھے پیٹ سے باہر لایا میں شیر خوار ہی تھا تو نے مجھے توکل کرنا سکھایا میں پیدائش ہی سے تجھ پر چھوڑا گیا۔ میری ماں کے پیٹ ہی سے تو میرا خدا ہے۔ مجھ سے دُور نہ رہ کیونکہ مصیبت قریب ہے اس لئے کہ کوئی مددگار نہیں   ۔" (زبور باب ۲۲ آیات ۱ تا ۱۱)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے داؤدی لحن عطا فرمائی تھی اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے متعلق داؤد ہونے کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ میں کبھی داؤد بھی ہو جاتا ہوں۔ آپ نے خدا کے حضور عرض کیا

کرم خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

دیکھئے حضرت داؤد کی اس عبارت سے کتنی مشابہ اور کتنی قریب ہے کہ "میں تو کیڑا ہوں انسان نہیں۔ آدمیوں میں انگشت نما ہوں اور لوگوں میں حقیر۔" پھر عرض کرتے ہیں

یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ میں آیا پسند
ورنہ درگہ میں تری کچھ کم نہ تھے خدمت گذار

تو نے مجھے اپنے فضل سے چنا ہے۔ مجھ میں کونسی خوبی تھی یہ محض تیرا احسان ہے کہ مجھے اس خدمت کے لئے چن لیا ہے۔ پھر اسی مضمون کو دوبارہ ایک اور شعر میں یوں بیان فرماتے ہیں

کرم خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
فضل کا پانی پلا اس آگ برسانے کے دن

حضرت داؤد کہتے ہیں جب میں شیر خوار ہی تھا تو نے مجھے توکل کرنا سکھایا میں پیدائش ہی سے تجھ پر چھوڑا گیا میری ماں کے پیٹ ہی سے تو میرا خدا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض کرتے ہیں

ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے
گود میں تیری رہا میں مثل طفل شیر خوار

اور آجکل کے بدنصیب ملاں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس شعر کو تحقیر اور تضحیک کا نشانہ بناتے ہیں دراصل حضرت داؤد کی لحن ہی میں ایک شعر کہا گیا ہے۔ یہ لحن داؤدی ہے وہی مضمون ہے جو حضرت داؤدؑ نے بیان کیا اور آپ کبھی کسی ملاں کی آواز میں سن لیں کہ کس کس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تمسخر اڑاتے ہیں کس طرح حاضرین کو ابھارتے ہیں اور کہتے ہیں بتاؤ تمہاری جائے نفرت کیا ہے یہ کیا چیز ہے جس کا ذکر کر رہے ہیں اور پھر جو بکواس ان کے منہ میں آتی ہے کہتے ہیں اور حضرت داؤدؑ کی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ گلیوں کی زبانیں تضحیک کا نشانہ بناتی ہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کہنا کہ خدا نے مجھے بھی اس زمانے کا داؤد بنایا ہے اس لحاظ سے لفظاً لفظاً پورا ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مناجات کی میں چند مثالیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ آپ عرض کرتے ہیں:

"اور اے میرے خدا میں ایک تیرا ناکارہ بندہ پُر معصیت اور پُر غفلت ہوں ظلم پر ظلم دیکھا اور انعام پر انعام کیا اور گناہ پر گناہ دیکھا اور احسان پر احسان کیا۔ تو نے ہمیشہ میری پردہ پوشی کی اور اپنی بے شمار نعمتوں سے مجھے متمتع کیا۔ سو اب بھی مجھ نالائق اور پُر گناہ پر رحم کر اور میری بے باکی اور ناسپاسی کو معاف فرما اور مجھ کو میرے اس غم سے نجات بخش کہ بجز تیرے چارہ گر کوئی نہیں۔"

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رب کے حضور عرض کرتے ہیں:

"اے رب العالمین! تیرے احسانوں کا میں شکر نہیں کر سکتا۔ تو نہایت ہی رحیم و کریم ہے اور تیرے بے غایت مجھ پر احسان ہیں میرے گناہ بخش تا میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔"

ہر مقدس جانتا ہے کہ اس کی روحانی زندگی خدا کے فضل سے وابستہ ہے حضرت داؤدؑ نے جو دعا کی کہ میں گور میں نہ چلا جاؤں ورنہ کیا مٹی تیری ستائش کرے گی وہی مضمون ہے کہ میں ہر دم تیری ثناء کر رہا ہوں مجھے ہلاک نہ ہونے دینا میرے دل میں اپنی خالص محبت ڈال تا مجھے زندگی حاصل ہو اور میری پردہ پوشی فرما اور مجھ سے ایسے عمل کرا جن سے تو راضی ہو جائے میں تیری وجہ کریم کے ساتھ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر وارد ہو اور دنیا اور آخرت کی بلاؤں سے مجھے بچا کہ ہر ایک فضل و کرم تیرے ہی ہاتھ

میں ہے۔ آمین ثم آمین۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رب کے حضور عرض کرتے ہیں:

"اے خدا تعالیٰ! قادر وذوالجلال! میں گنہگار ہوں اور اس قدر گناہ کے زہر نے میرے دل اور رگ وریشہ میں اثر کیا ہے کہ مجھے رقت اور حضور نماز حاصل نہیں"۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کی حکمت

اب رِقت اور حضور نماز کا حاصل نہ ہونا یہ ایک روز مرہ کی عام بات ہے جو دنیا کے اکثر نمازیوں کا روز مرہ تجربہ ہے پھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اس بیماری سے نجات کا نسخہ لکھ رہے ہیں اس میں اسے ایک ایسی کیفیت قرار دیتے ہیں جو اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ رگ وریشہ میں زہر سرایت کر جائے یہ ایک ایسی بات ہے جسے ٹھہر کر سمجھنا ضروری ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام یونہی کسی نثر نگار کا کلام نہیں جو سجا سجا کر جو بات ذہن میں آئے اپنی نثر کو سجانے کے لئے پیش کر دیتا ہے اس میں گہری حکمت ہوتی ہے اور حقیقت ہوتی ہے امر واقع یہ ہے کہ نمازوں میں لذت اس وقت نصیب نہیں ہوتی جبکہ انسان کی ساری لذت کی تمنائیں دنیا کی طرف مائل ہو چکی ہوتی ہیں۔ اس کا صبح اٹھنا۔ اس کا رات کو سونا۔ ایسی امنگوں اور خوابوں میں اور اپنے نفس کے ساتھ باتوں کے ساتھ ہوتا ہے جس میں دنیا طلبی کی باتیں ہوتی ہیں۔ آج مجھے یہ بھی مل جائے آج مجھے وہ بھی مل جائے۔ آج میرا یہ کام پورا ہو۔ آج میں اس طرح اپنے محبوب کو پاؤں اِس طرح اس کے ساتھ وصل کی راتیں کٹیں وغیرہ وغیرہ یا اس سے ملتے جلتے دوسرے مضمون۔ ساری زندگی اسی طرح روز و شب میں کٹ جاتی ہے۔ وہ روز مرہ کی تمنائیں اسے گھیرے رکھتی ہیں۔ ان کے ساتھ سوتا ہے۔ ان کے ساتھ جاگتا ہے پھر نماز میں سرور کیسے پا سکتا ہے۔ کبھی سوتے جاگتے اللہ کا ذکر بھی تو کرے از خود اس کی طرف دھیان جائے جیسا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی مثالیں میں نے آپ کے سامنے رکھی تھیں۔ رات کو خدا کے ذکر کے ساتھ سویا کرتے تھے صبح اس ذکر کے ساتھ اٹھتے تھے اور ساری رات اسی ذکر میں صرف ہوا کرتی تھی۔ پس ایسے شخص کی عبادت ذکر سے زندہ ہو جایا کرتی ہے۔ اس زندگی میں سرور و لطف ہے یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کیفیت کو ایک معمولی ابتدائی بیمار قرار نہیں دیا۔ فرمایا ہے توجہ کرو کہ تمہارے نفس میں دنیا کا زہر گھل گیا ہے اور تمہاری رگ وپے میں سرایت کر گیا ہے اس کے نتیجے میں یہ کیفیت پیدا ہوئی ہے جس کو تم معمولی سمجھ رہے ہو اور اسے دور کرتے کرتے وقت لگے گا۔ محنت لگے گی۔ توجہ کرنی ہوگی۔ خدا سے عاجزانہ دعائیں کرنی ہونگی۔ آناً فاناً تو کینسر ٹھیک نہیں ہو جایا کرتے۔ بعض مریض مختلف قسم کی روحانی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور نسخہ ایسا مانگتے ہیں کہ ادھر نسخہ منہ کے اندر گیا اور نسخہ کا تیار کردہ جو بھی محلول ہے اور اسی وقت شفا ہو گئی۔ بعض دفعہ اتنے لمبے عرصے تک ایڑیاں رگڑنی پڑتی ہیں اور شفا کے متلاشی کو اگر وہ دعا بھی ساتھ کرے شفا مل بھی جایا کرتی ہے اور کبھی نہیں بھی ملتی مگر دنیا میں بھی شفا اس وقت نہیں ملتی جبکہ مرض حد سے گذر چکا ہو اور توجہ عارضی ہو جو اس کے مقابل پر اتنی طاقت نہ رکھتی ہو۔ روحانی دنیا میں بھی یہی حال ہے۔ ایک عدل کا نظام ہے جو جاری و ساری ہے پس جتنی کمزوری ہے اتنی شدت کے ساتھ اس کے مقابلے کے لئے ذہن اور روح اور دل کو بیدار ہونا پڑے گا اور بڑی فراست کے ساتھ اس بیماری کو پہچاننا ہوگا اور اس کے مقابل پر کوئی نسخہ تجویز کرنا ہوگا اور سب سے پہلے ہر نسخے کا آغاز دعا سے ہونا چاہئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہی ذکر کر رہے ہیں اس کو پھر غور سے سنئے:

"میں گنہگار ہوں اور اس قدر گناہ کے زہر نے میرے دل اور رگ وریشہ میں اثر کیا ہے کہ مجھے رقت اور حضور نماز حاصل نہیں رہا"۔

کتنے لاکھوں کروڑوں عبادت کرنے والے ہیں جو بے چارے اسی کیفیت میں سے گذر رہے ہیں ان کو پتہ نہیں کہ ہماری کیفیت ہے کیا؟

"میرے گناہ بخش اور میری تقصیرات معاف کر اور میرے دل کو نرم کر دے اور میرے دل میں اپنی عظمت اور اپنا خوف اور اپنی محبت بٹھا دے تا کہ اس کے ذریعے سے میری سخت دلی دور ہو کر حضور نماز میسر آوے"۔

سب سے بڑا اور مؤثر نسخہ اپنے نفس کی شناخت اور دعا ہے

پس سب سے بڑا اور مؤثر نسخہ اپنے نفس کی شناخت اور اس شناخت کے بعد دعا ہے ورنہ خالی دعا اگر سکھا دی جائے تو انسان منہ سے باتیں کرتا رہتا ہے اس کو پتہ ہی نہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور جس طرح وہ باتیں اس کے دل پر اثر نہیں کر رہی ہوتیں اللہ پر بھی اثر نہیں کرتیں۔ آپ کے دل فیصلہ کرتے ہیں کہ کوئی دعا قبول ہوگی یا نہیں ہوگی یہ دل کی کیفیات ہیں جو اس کی طرف منتقل ہوتی ہیں جس سے مانگا جا رہا ہے۔ بعض دفعہ مانگنے والے ایسی بے کسی اور بے بسی سے مانگتے ہیں کہ پتھر دل بھی موم ہو جاتے ہیں لیکن اپنی شناخت ضروری ہے اس کے بغیر یہ عجز پیدا نہیں ہوگا اس کے بغیر یہ اضطراب پیدا نہیں ہوگا جو قبولیت دعا کے لئے ضروری ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی طرح لحن داؤدی میں ایک اور دعا ہمیں سکھاتے ہیں فرماتے ہیں:

"اے میرے خدا میری فریاد سن کہ میں اکیلا ہوں۔ اے میری پناہ اے میری سپر۔ میری طرف متوجہ ہو کہ میں چھوڑا گیا ہوں۔"

"اکیلا ہوں" میں ایک مضمون بیان ہوا ہے اور "چھوڑا گیا ہوں" میں دوسرا مضمون بیان ہوا ہے ایک اکیلا ویسے ہی اکیلا ہوتا ہے لیکن ایک دشمنی اور نفرت کے سبب سے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بعض لوگ بعض لوگوں سے اس لئے اجتناب کرتے ہیں کہ ان کو مکروہ دیکھتے ہیں پس حضرت داؤد نے جو یہ مضمون بیان فرمایا ہے وہی ایک اور رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پیش کر رہے ہیں کہ میں چھوڑا گیا ہوں یہ دراصل حضرت داؤد سے زیادہ ایوبی کیفیت کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ حضرت ایوب کی دعاؤں میں یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ایسے بیمار ہوئے کہ جِلد کی بیماری ہو گئی اور یہاں تک الفاظ آتے ہیں کہ گویا آپ کے جسم میں کیڑے پڑ گئے اور لوگ کراہت سے دیکھتے تھے اور منہ پھیرتے چلے جاتے تھے۔ انگلستان میں بھی رواج تھا کہ یہاں ایک زمانے میں کوڑھی کے لئے حکم تھا کہ وہ گلے میں گھنٹی ڈال کے پھرے تا کہ کسی کی نظر نہ اس پر پڑ جائے یعنی لوگوں کی نظروں کو اس عذاب سے بچانے کے لئے یا اس کی نحوست سے بچانے کے لئے کوڑھی کا فرض تھا کہ وہ گھنٹی بجاتا پھرے کہ میں اس راہ پہ آرہا ہوں تم لوگ رستہ چھوڑ دو یا کسی اور طرف چلے جاؤ تو 'چھوڑا گیا ہوں' میں جو مضمون ہے وہی مضمون ہے۔ 'اکیلا ہوں' تو ہے ہی تیرے سوا میرا کوئی نہیں رہا۔ کوئی نہیں ہے۔ دنیا نے حقارت سے مجھے چھوڑ دیا ہے۔

"اے میرے پیارے! اے میرے سب سے پیارے، مجھے اکیلا مت چھوڑ میں تیرے ساتھ ہوں اور تیری درگاہ میں میری روح سجدہ میں ہے"۔

اکیلا چھوڑنے میں اللہ کی طرف دھیان گیا ہے سب دنیا چھوڑ گئی تو کوئی فرق نہیں پڑتا میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا میری طرف واپس آجائے میں یہ عرض کرتا ہوں تو مجھے نہ چھوڑ۔ اگر تو مل گیا تو پھر سب کچھ مل گیا۔ پھر ایک دعا ہے۔

"میں اس تیمار دار کی طرح جو اپنے عزیز بیمار کے غم میں مبتلا ہوتا ہے اس ناشناس قوم کے لئے سخت اندوہ گیں ہوں۔ اے میرے اللہ تو نے مجھے اس دَور کا مسیحا بنا دیا ہے، میں ان بیماروں کا تیمار دار بنایا گیا ہوں۔"

پس اس کی طرح جو اپنے عزیز بیمار کے غم میں مبتلا ہوتا ہے جیسے ماں بچے کے غم میں مبتلا ہو یا باپ بیٹے اور بیٹی کے غم میں مبتلا ہو اس طرح میں اس قوم کے غم میں مبتلا کر دیا گیا ہوں۔ "اس ناشناس قوم کے لئے" ایسی قوم کا مجھے غم لگ گیا ہے جو پہچانتی نہیں کہ اس کا مسیحا کون ہے۔ بیمار اتنی کہ قبروں میں ٹانگیں لٹکائے بیٹھی ہے اور حالت یہ ہے کہ اپنے مسیحا کو پہچانتی نہیں۔

"دعا کرتا ہوں کہ اے قادر و ذوالجلال خدا۔ ہمارے ہادی اور راہنما۔ تو لوگوں کی آنکھیں کھول اور آپ ان کو بصیرت بخش اور آپ ان دلوں کو سچائی اور راستی کا الہام بخش۔"

مرحومین کا ذکر خیر

آخر پر میں چند مرحومین کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی بھی دن چونکہ چھوٹے ہیں، نماز جمعہ کے بعد نماز عصر ہوگی اس کے معاً بعد نماز جنازہ غائب ہوگی۔

سب سے پہلے صوفی بشارت الرحمٰن صاحب وکیل التعلیم کی وفات کی آپ کو اطلاع دیتا ہوں۔ آپ چند روز بیمار رہ کر ہسپتال میں وفات پا گئے۔ ۸ دسمبر ۱۹۲۸ء کو قادیان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صوفی عطا محمد صاحب ۱۹۱۰ء میں احمدیت میں داخل ہوئے۔ آپ کے نانا شیخ محمد اسماعیل صاحب ۳۱۳ صحابہ میں سے تھے۔ مکرم صوفی صاحب مرحوم مغفور کو تقریباً سب جماعت جانتی ہے۔ کالج میں پروفیسر بھی رہے، اور مختلف رنگ میں دین کی بڑی عاجزی اور انکساری کے ساتھ اور جانفشانی کے ساتھ خدمات

سرانجام دیتے رہے۔ بہت علمی ذوق تھا اور اللہ کے فضل کے ساتھ دینی علم بڑا گہرا تھا اور ہر وقت کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے جس خدمت پر یہ مامور رہے علمی مشاغل کو اس کے علاوہ ہمیشہ جاری رکھا۔ وفات کے وقت تحریک جدید میں وکیل التعلیم تھے۔

شیخ عبدالواحد صاحب بہت وسیع تعارف کے حامل تھے۔ جماعت میں بہت بھاری تعداد ان کو جانتی تھی۔ ان کی اہلیہ امتہ البشیر صاحبہ وفات پا گئی ہیں ان کی بھی نماز جنازہ ہوگی۔

مکرم شیخ اعجاز احمد صاحب آف کراچی جو شیخ عطا محمد صاحب کے صاحبزادے تھے جو علامہ اقبال کے چچا تھے یا تایا تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابتدائی بیعت کرنے والوں میں سے تھے اور اللہ کے فضل سے بہت مخلص صحابی تھے۔ شیخ اعجاز احمد صاحب کو آپ کے ساتھ بیعت کرنے کی توفیق نہیں ملی تو غالباً والدہ یا دیگر رشتہ داروں کا اثر ہوگا۔ لیکن آپ نے ۱۹۳۱ء میں حضرت مصلح موعودؓ کے ہاتھ پر بیعت کی لیکن اللہ کے فضل کے ساتھ بہت ہی پاکباز انسان، بہت ہی مرنجاں مرنج طبیعت، مہمان نواز، خوش اخلاق، اعلیٰ پاکیزہ مجلسیں لگانے والے تھے۔ چودھری ظفراللہ خان صاحب کی صحبت کا ان میں کافی رنگ پایا جاتا تھا۔ چودھری صاحب کو ان سے بہت پیار تھا۔ آپ نے تحدیث نعمت میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کی ایک کتاب "مظلوم اقبال" کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ جب علامہ اقبال کے متعلق بہت سے لکھنے والوں نے اس نئے دور میں جھوٹی باتیں پھیلانی شروع کیں کہ ان کا احمدیت سے کوئی تعلق کبھی نہیں رہا اور خاندان میں یہ بات نہیں تھی اور احمدیت کے خلاف ایسے ایسے معاندانہ انہوں نے کام کئے وغیرہ وغیرہ تو شیخ صاحب نے چند سال پہلے اس کے جواب میں باوجود بڑھاپے اور کمزوری کے بہت اچھی کتاب لکھی اور کہا کہ میں گھر والا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ہمارے گھر میں کیا ہوتا تھا۔ کس طرح انہوں نے اپنے بیٹے کو عقیدت کے ساتھ قادیان سکول میں پڑھنے کے لئے بھجوایا تھا کہ باقی دنیا میں دوسرے سکولوں میں بے دینی پائی جاتی ہے وہیں سے دین سیکھے گا تو اگر ایسا شخص آغاز ہی سے احمدیت کے خلاف ہوتا تو یہ کام کیوں کرتا وہ کتاب بھی پڑھنے کے لائق ہے جس کسی کو موقع ملے تو اس کتاب کا مطالعہ کرے۔ بہت اچھی کتاب ہے۔

عبدالعزیز برما مجلس انصاراللہ کے آڈیٹر تھے۔ ۱۹۷۸ء میں بیعت کی تھی مگر بہت جلد جلد اخلاص میں ترقی کی اور شدید مخالفت میں ایذا رسانیوں کے باوجود بڑے اخلاص سے احمدیت پر قائم رہے ان کے لئے بھی نماز جنازہ میں دعا کی جائے گی۔

حمیدہ منصور صاحبہ طاہرہ مسعود حیات صاحب ہمارے لندن کی جماعت کے مسعود حیات صاحب کو آپ جانتے ہیں حمیدہ منصور صاحبہ ان کی بیگم طاہرہ کی بہن تھیں اور جرمنی میں وفات پا گئی ہیں۔

رمضان المبارک میں درس القرآن کا پروگرام

رمضان المبارک میں انشاء اللہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ روزانہ درس قرآن دیں گے جو سیٹلائٹ کے ذریعہ ساری دنیا میں نشر کیا جائے گا۔ اس کا پروگرام حسب ذیل ہو گا۔

سوموار سے جمعرات تک

لندن کے وقت کے مطابق ۴۵۔ ۱۰ سے ۳۰۔ ۱۲ تک

بروز جمعہ درس نہیں ہو گا۔

بروز ہفتہ

لندن کے وقت کے مطابق ۴۵۔ ۱۰ سے ۳۰۔ ۱۲ تک

بروز اتوار

لندن کے وقت کے مطابق ۳۰۔ ۱۱ سے ۳۰۔ ۱ تک

احباب ان اوقات کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کے درس میں شامل ہوں۔

Earlsfield Properties

RENTING AGENTS

PROPERTIES WANTED IN ALL AREAS FOR WAITING TENANTS

081 877 0762

REVIEW OF RELIGIONS

A monthly magazine designed to educate and enlighten its readers on religious, social, economic and political issues with particular emphasis on Islam. To ensure that you regularly receive this monthly publication please fill in the details below and send the completed form with your remittence to:

The Subscription Manager,
16 Gressenhall Road, London,
SW18 5QL, England

Please put my name on the mailing list for the Review of Religions for one year. I enclose a CHEQUE/BANKERS DRAFT of ....
Name...
Address...
....
....
....
....

ANNUAL SUBSCRIPTION RATES:
UNITED KINGDOM £15.00 STERLING
OVERSEAS US $30.00
DO NOT SEND CASH PLEASE

MUSLIM TELEVISION AHMADIYYA

PROGRAMME TIMINGS

ASIA AND MIDDLE EAST
7.00 am to 7.00 pm [London, U.K.]

EUROPE
Monday to Thursday 1:30 pm to 4 pm
Friday to Sunday 1.00 pm to 4 pm

TELEPHONE AND FAX NUMBERS FOR INFORMATION COMMENTS OR MESSAGE

Tel: + 44 - 81 - 870 0922 Fax: + 44 - 81 - 871 0684

LIVE TRANSMISSION FROM UNITED KINGDOM

Tilawat Manzoom Kalam Malfoozat

VARIETY OF PROGRAMMES INCLUDING

Majlis Irfan Speeches

Hazur replying to letters and messages of viewers

Satellite	EUTELSAT II F3	STATSIONAR 21	STATSIONAR 4	GALAXY 2
Area	Europe, North Africa	Asian, Middle East, Eastern Europe, East Africa Regions	South America, Africa and European Regions	North America, Canada
Position	16° East	103° East	14° West	74° West
Transponder	37	7 (C-Band)	9 (C-Band)	11
Frequency	11.575 GHz	3725 MHz	3825 MHz	36 MHz
Polarity	Vertical	Right Hand circular	Right Hand circular	Horizontal
Format	625 Lines PAL Colour	625 Lines PAL Colour	625 Lines PAL Colour	NTSC
Audio Sub-Carriers				
Urdu	6.5 MHz	6.5 MHz	6.5 MHz	6.2 MHz
English	7.02 MHz	7.02 MHz	7.02 MHz	
Arabic	7.20 MHz	7.20 MHz	7.20 MHz	
French	7.92 MHz	7.92 MHz	7.92 MHz	
Timings (London Time)	13.30 - 16.00	10.00 - 16.00	13.30 - 14.30	13.30 - 14.30

Radio = Short Wave Band Radio, 25 Meter Band, Digital Frequency 11695.
Timings: 13.30 - 14.30 London Time

اکرام ضیف، صاحب ایمان کا ایک بنیادی وصف

روحانی غذا کا خیال

ابو عبداللہ بن طہفہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے پاس جب مہمان زیادہ ہو جاتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو مسجد میں نماز کے بعد فرما دیتے تھے کہ جو آدمی اپنے ساتھ مہمان لے کر جا سکتا ہے لے جائے۔ لیکن ایک رات مہمان اتنے زیادہ تھے کہ آنحضورؐ نے فرمایا کہ ہر آدمی اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے مہمان کو ہمراہ لے جائے۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اس کے باوجود بھی پانچ مہمان بچ رہے۔ پانچواں میں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے ساتھ حضرت عائشہؓ کے گھر لے گئے۔ آپ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کھانے کو کچھ ہے؟۔ انہوں نے عرض کی کہ حضور آپ کے روزہ افطار کرنے کے لئے کچھ تیار کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ وہ کھانا ایک پلیٹ میں ڈال کر لے آئیں۔ آنحضورؐ نے اس میں سے تھوڑا سا لیا اور باقی ہم پانچوں کو دیا اور فرمایا بسم اللہ کر کے کھاؤ۔ پھر حضرت عائشہؓ تھوڑا سا اور کھانا لائیں وہ بھی ہم نے کھالیا۔ پھر حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کچھ پینے کو بھی ہے۔ انہوں نے عرض کی تھوڑا سا دودھ آپ کے لئے رکھا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لے آؤ۔ حضرت عائشہؓ نے پیش کر دیا۔ حضورؐ نے لے کر تھوڑا سا پیا اور باقی تبرک ہمیں دے کر فرمایا کہ بسم اللہ کر کے پیو۔ ہم نے وہ بھی پی لیا اور ختم کر دیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا چاہو تو یہیں سو جاؤ چاہو تو مسجد چلے جاؤ۔ ہم نے کہا ہم مسجد جائیں گے۔ چنانچہ ہم مسجد جا کر سو گئے۔ صبح نماز سے قبل حضورؐ تشریف لائے اور ہمیں نماز کے لئے جگانے لگے۔ یہ آپ کا طریق تھا کہ جب گھر سے نماز کے لئے تشریف لاتے تو نماز نماز کہہ کر سونے والوں کو جگا دیتے تھے۔ میں مسجد میں پیٹ کے بل سویا ہوا تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ کوئی مجھے پاؤں سے ہلا رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اس طرح سونا اچھا نہیں۔ میں نے دیکھا تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

عرش پر خدا خوش ہو رہا تھا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غریب مفلوک الحال شخص آیا اور عرض کی کہ میں فاقہ زدہ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر بھجوا بھیجا کہ کھانے کو کچھ ہے تو دیا جائے۔ وہ زمانہ سخت تنگی اور قحط کا تھا سب بیویوں کی طرف سے جواب آیا کہ صرف پانی گھر میں ہے اور کھانے کو کچھ نہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے درمیان اعلان فرمایا کہ کوئی ہے جو آج رات اس شخص کی مہمان نوازی کرے اور خدا تعالیٰ کی رحمت سے حصہ پائے۔ حضرت ابو طلحہ انصاریؓ کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ اے خدا کے رسولؐ میں اس مہمان کی ضیافت کے لئے حاضر ہوں۔ چنانچہ اس مہمان کو وہ اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ اور اپنی بیوی حضرت ام سلیمؓ جو نہایت زیرک، ایثار پیشہ اور فدائی خاتون تھیں، سے کہا یہ رسول خداؐ کا مہمان ہے اس لئے اس کی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھنا۔ اور اس کا پورا پورا اکرام کرنا۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم آج تو صرف بچوں کا کھانا ہے۔ ہمارے کھانے کو بھی کچھ نہیں۔ حضرت طلحہؓ نے کہا کوئی بات نہیں آج بچوں کو بھوکا رکھ لیں گے۔ جب وہ کھانا مانگیں تو بہلا پھسلا کر انہیں سلا دینا اور مہمان کے لئے کھانا تیار کر لو۔ اور جب ہم کھانا کھانے بیٹھیں تو حکمت عملی سے دیا بجھا دینا۔ تاکہ خدا کے رسول کا مہمان سیر ہو کر کھا سکے۔ ہم بھوکے گزارا کر لیں گے۔ لیکن مہمان کا ساتھ دینے کے لئے ہم ساتھ خالی منہ ہلاتے رہیں گے۔

نزول پردہ کے حکم سے پہلے عربوں میں اہل خانہ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا اکرام ضیف کا حصہ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ میاں بیوی مہمان کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ تا اس پہلو سے بھی اکرام ضیف میں فرق نہ آئے۔ لیکن کھانا ایک آدمی کا تھا۔ چنانچہ حضرت ام سلیم کھانا رکھ کر دیا ٹھیک کرنے کے لئے اٹھیں اور اسے بجھا دیا۔ پھر دونوں میاں بیوی مہمان کے ساتھ خالی منہ ہلا ہلا کر یہ ظاہر کرتے رہے کہ کھانا کھا رہے ہیں اور مہمان کو خدا اور اس کے رسولؐ کی خاطر پیٹ بھر کر کھانا کھلایا اور خود بھوکے پیٹ رات بسر کی۔

ایثار و قربانی اور اخلاص و فدائیت کے اس عظیم الشان نمونے کو دیکھ کر عرش کا خدا بھی اتنا خوش ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر کر دی۔ صبح ہوئی اور ابو طلحہؓ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا آج رات عرش کا خدا تم دونوں میاں بیوی کے اس نمونہ کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔

جنگ خندق کے زمانہ میں بھی مسلمانوں پر تنگی اور قحط کے سخت دن تھے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت چٹان کھدائی میں حائل ہو گئی۔ صحابہؓ نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تو حضور نے فرمایا میں خود آتا ہوں۔ پھر آپ تشریف لائے تو آپ کے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ مسلسل تین دن سے ہم نے کچھ کھایا پیا نہ تھا۔ آنحضرتؐ نے کدال ہاتھ میں لی اور (تین ضربوں میں) چٹان پاش پاش کر دی۔

حضرت جابرؓ سے رسول اللہؐ کی بھوک اور فاقہ کی یہ حالت نہ دیکھی گئی اور وہ حضورؐ سے اجازت لے کر اپنے گھر گئے۔ وہ کہتے ہیں میں نے اپنی بیوی سے کہا میں نے آنحضرتؐ کی فاقہ سے ایسی حالت دیکھی ہے کہ جس پر صبر نہیں ہو سکتا۔ تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟۔ اس نے کہا کہ ہاں کچھ جو ہیں اور ایک بکروٹا ہے۔ حضرت جابرؓ نے جلدی سے بکروٹا ذبح کر دیا اور بیوی نے جو پیس لئے اور ہنڈیا میں پکنے کے لئے رکھ دیا۔ جب جابرؓ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم کو کھانے کے لئے بلانے جانے لگے بیوی نے کہا مجھے رسول اللہؐ کے سامنے رسوانہ کرنا اور زیادہ لوگ نہ لانا۔ تاکہ کھانا کم نہ ہو جائے۔ ادھر حضرت جابرؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس دوران ان کی بیوی نے آٹا وغیرہ گوندھا اور وہ سنور گیا اور ہنڈیا قریباً تیار ہو گئی۔ حضرت جابرؓ نے رازداری سے عرض کیا یا رسول اللہؐ میرے گھر تھوڑا سا کھانے کا انتظام ہے۔ آپ خود بھی تشریف لے آئیں اور اپنے ہمراہ چند صحابہ کو بھی لے آئیں۔ رسول اللہؐ اپنے صحابہ کو بھوکا چھوڑ کر کیسے چلے جاتے۔ آپؐ نے پوچھا کھانا کتنا ہے؟۔ حضرت جابرؓ نے بتایا کہ ایک بکروٹا اور کچھ جو ہیں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا بہت ہے اور خوب ہے۔ تم اپنی بیوی سے جاکر کہو کہ وہ میرے آنے تک نہ ہنڈیا اتارے نہ تنور سے روٹی شروع کرے یہاں تک کہ میں آجاؤں۔ پھر آپؐ نے اپنے موجود صحابہؓ کو فرمایا کہ اے اہل خندق جابرؓ نے تمہارے لئے دعوت کا انتظام کیا ہے چلو اس کے گھر چلیں۔ حضرت جابرؓ پہلے گھر آگئے۔ ان کی بیوی کو معلوم ہوا کہ حضورؐ خندق میں کام کرنے والے ایک ہزار صحابہ کو ساتھ لا رہے ہیں تو جابرؓ سے ناراض ہونے لگیں۔ حضرت جابرؓ نے کہا میں نے تمہارے کہنے کے مطابق آنحضرتؐ کو رازداری سے ہی دعوت دی تھی۔ اتنی دیر میں آنحضرتؐ تشریف لائے۔ آپ نے آٹے میں پھونک ماری اور برکت کی دعا دی۔ پھر فرمایا اب روٹیاں پکانے والی کو بلاؤ وہ روٹی پکائے اور ہنڈیا چولہے سے نہ اتارنا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علی وسلم خود روٹی توڑتے، اس پر ہنڈیا میں سے گوشت نکال کر رکھتے اور اپنے صحابہ کو دیتے۔ پھر تندور اور ہنڈیا کو ڈھانک دیتے۔ اس طرح تمام آئے ہوئے مہمان سیر ہو گئے اور کھانا بچ گیا۔ آنحضرتؐ نے حضرت جابرؓ کی بیوی سے فرمایا کہ اب جو کھانا بچ گیا ہے وہ خود بھی کھاؤ اور تحفۃً دوسروں کو بھی بھجواؤ۔ کیونکہ لوگ فاقہ اور بھوک کا شکار ہیں۔

جسمانی اور روحانی ضیافت کی شاندار مثال

فتح مکہ کے بعد کثرت سے عرب اور اس کے گرد و نواح سے وفود آنحضرتؐ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرتے رہے۔ ان وفود کے ساتھ سلوک احسان و مروت اور مہمان نوازی عظیم الشان رکھا گیا۔ ان وفود میں سے ایک مشہور وفد بحرین سے آیا جسے وفد عبدالقیس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس وفد کے ارکان بیان کیا کرتے تھے کہ ہم آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ اور آپؐ کے صحابہؓ کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ جب رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچے تو ہمارے لئے جگہ فراخ کر دی گئی اور ہمیں رسول اللہؐ نے مرحبا اور خوش آمدید کہا۔ پھر حضور نے ہم سے پوچھا تمہارا سردار اور لیڈر کون ہے؟۔ ہم سب نے منظر بن عائذ کی طرف اشارہ کیا۔ پھر آپ ہمارے سردار کو اپنے قرب میں جگہ دیتے اور اس سے بہت محبت اور لطف کا سلوک فرماتے۔ پھر حضورؐ نے انصار سے فرمایا کہ اپنے ان بھائیوں کا پورا پورا احترام کرنا

بقیہ: صفحہ 15 پر

ان عشق بتاں میں دھرا کیا ہے

(از حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ)

کیوں حال پریشاں رہنے لگا
نہیں آتا ہے جی کو چین ذرا

میرے سر میں جانے بھرا ہے کیا
میرے دل کو جانے ہوا کیا ہے

اسی خواہش میں سب عمر کٹی
پر حسرت دل کی دل میں رہی

کوئی آ کر پوچھے ہم سے کبھی
تیرے درد نہاں کی دوا کیا ہے

ہم رنج سہیں یا غم سے مریں
یا عشق میں تیرے آہیں بھریں

تجھے کیا پروا تیری جانے بلا
کیا عشق ہے اور وفا کیا ہے

آ۔ جانے دے مت اور ستا
میرے روٹھنے والے مان بھی جا

میں دکھیا ہوں لے میری دعا
یا یہ تو بتا کہ خطا کیا ہے

ترے عشق میں کیا کیا رنج سہے
دکھ درد اٹھائے جاں سے گئے

تو رہتا ہے پھر بھی ہم سے خفا
تقدیر میں جانے لکھا کیا ہے

آ۔ جانے دے۔ مت اور ستا
میرے روٹھنے والے مان بھی جا

میں دکھیا ہوں لے میری دعا
یا یہ تو بتا کہ خطا کیا ہے

آ جانے دے، حد سے نہ گزر۔
یہ ظلم یہ جور و جفا کم کر

مظلوم کے تیر دعا سے ڈر
اور سوچ کہ آہ رسا کیا ہے

نہیں ہوتی بتوں میں ذرا بھی وفا
نہیں جانتے جور و جفا کے سوا

دل اپنا بشیر خدا سے لگا
ان عشق بتاں میں دھرا کیا ہے

(مرسلہ۔ محمد یعقوب، ربوہ)

بقیہ:۔ حوادث طبعی یا عذاب الٰہی

پھر ایک ضمنی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عہد حاضر میں ایک مسلمان علاقے میں یہود کو غلبہ کیوں نصیب ہوا اور کیوں عالم اسلام کے عین وسط میں ان کو ایک ظالمانہ حکومت قائم کرنے کی توفیق ملی ؟۔ اس سوال پر تفصیلی بحث کا تو یہ موقعہ نہیں البتہ اشارۃً یہ کہنا کافی ہوگا کہ قرآن کریم میں پہلے ہی سے اس عارضی غلبے کی بھی پیش گوئی موجود ہے اور اس کا ایک مقصد یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہود پر اور اہل دنیا پر یہ بات روشن کر دی جائے کہ اس قوم کو قیامت تک "مغضوب علیھم" بنانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ظلم اور تعدی کا فیصلہ نہیں تھا بلکہ یہ قوم اپنی سرشت کے لحاظ سے اس حد تک بگڑ چکی ہے اور ان کے دل ایسے سخت ہو چکے ہیں کہ اگر انہیں کبھی غلبہ نصیب ہو تو انتہائی ظلم اور سفاکی پر اتر آئیں گے۔ لہٰذا یہ اس قابل نہیں رہے کہ انہیں کبھی دنیا کی سرداری بخشی جائے۔

اب ہم اصل سوال کی طرف واپس آتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین پر کیوں ایسا عذاب الٰہی نازل نہ ہوا جو ان کو کلیۃً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے مقابل پر مغلوب کر دیتا۔ اگر آپ تمام بنی نوع انسان کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے تو محض عرب قوم پر غلبہ عقل کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ آج جبکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کو چودہ سو برس ہونے کو آئے، حالت یہ ہے کہ دوسری قومیں تو الگ رہیں صرف عیسائی قوم کے مقابل پر بھی مسلمان ہر لحاظ سے مغلوب نظر آتے ہیں۔ آج عیسائیوں کو ان پر عددی اکثریت بھی حاصل ہے۔ اموال کا غلبہ بھی نصیب ہے اور سیاسی غلبہ بھی نصیب ہے اور عسکری قوت کا غلبہ بھی نصیب ہے۔ اسی طرح علمی، تمدنی اور معاشرتی طور پر بھی دنیا میں عیسائی قومیں غالب اور مسلمان اقوام مغلوب دکھائی دے رہی ہیں۔

اس سوال پر غور کرتے ہوئے سب سے پہلے اس مسئلہ کو حل کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کو جو غلبہ کا وعدہ دیا جاتا ہے۔ اس کی مدت کیا ہونی چاہئے۔ جب تک یہ طے نہ ہو جائے کہ کتنے عرصے میں غلبہ ہونا چاہئے اس وقت تک اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دیا جا سکتا۔ اس پہلو سے جب انبیائے گزشتہ کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اگرچہ غلبہ ایک آخری اور قطعی نتیجہ کے طور پر واضح طور پر دکھائی دیتا ہے لیکن کوئی معین مدت ایسی نظر نہیں آتی جو اس بارہ میں رہنما اصول کا کام دے سکے۔ عیسائیت کے غلبے کو ہی لیجئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دعوے کے بعد تقریباً تین سو سال تک عیسائیت ایک ابھرتی ڈوبتی اور پھر ڈوبتی اور ابھرتی ہوئی ناؤ کی طرح دکھائی دیتی ہے جس کا مستقبل غیر یقینی نظر آتا ہے۔ ایسے ایسے ادوار بھی عیسائیت پر آئے کہ قوی اور ظالم دشمن سے بظاہر کلیۃً مغلوب ہو کر زیر زمین غاروں میں پناہ لینی پڑی۔ اصحاب کہف کی یادگار وہ غاریں آج بھی یورپ میں موجود ہیں جن کا زیر زمین سلسلہ میل ہا میل تک پھیلا ہوا ہے جنہیں "کیٹا کوم" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کے راستے اتنے پیچیدہ اور اندھیرے ہیں کہ آج کے جدید روشنی کے سامانوں کے باوجود بڑی احتیاط کے ساتھ قافلوں کی صورت میں زائرین راستہ دکھانے والوں کے پیچھے چل کر معائنہ کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔

اس کے باوجود کئی زائرین راستہ بھٹک کر ان پیچ در پیچ ظلماتی راستوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہی ظلماتی راہیں کبھی موحد اور مظلوم عیسائیوں کے نور سے روشن تھی۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے بالائے زمین خطرات کو ان زیر زمین خطرات سے بہت زیادہ بھیانک پایا اور بسا اوقات سال ہا سال کا عرصہ انہی غاروں میں بسر کر دیا لیکن یہ پسند نہ کیا کہ قوی دشمن کے خوف سے اپنے دین کو تبدیل کر دیں۔ سطح زمین پر جیسے جیسے رومن تاریخ کروٹیں بدلتی رہی ویسے ویسے ہی عیسائی اقوام کبھی باہر نکل کر کھلے آسمان تلے دم لے لیتیں۔ اور کبھی پھر غاروں میں پناہ گزیں ہو کر ایک نیم خوابیدہ سی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتیں۔ یہ دور اسی طرح چلتا رہا یہانتک کہ عذاب کی مختلف شکلوں نے پے در پے صدمے پہنچا کر عظیم سلطنت روما کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور آخر دنیا نے یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھا کہ عیسائیت ان غاروں سے نکل کر ترقی کے بلند و بالا میناروں کی زینت بن گئی اور آج ان اقوام کی تعمیر کردہ سربفلک عمارتیں آسمان سے باتیں کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ غیر معمولی بلندی کی وجہ سے انہیں "سکائی سکریپرز" کا نام دیا گیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے کہ وہ لوگ جو کبھی خدا تعالیٰ کے پیغام کے لئے سطح زمین پر نہ بس سکتے تھے اور بالائے زمین کھلی فضاء میں رہنے کی بجائے انہوں نے محض خدا کی خاطر زیر زمین گہری اور تنگ و تاریک غاروں میں رہنا پسند کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ظاہری رفعتیں بھی ایسی عطا کیں کہ ان کی عمارتیں ہی نہیں وہ خود بھی آسمان سے باتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی ان کے قدم چاند کی سرزمین کو روندتے ہیں اور کبھی ان کے راکٹس مارس کی بلندیوں کو سر کر لیتے ہیں۔ پس جہاں تک واقعات کا تعلق ہے گو ہر دنیاوی معیار کے لحاظ سے یہ بات ناقابل فہم اور ناممکن دکھائی دیتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد تین صدیوں کے کمزور عیسائی کسی وقت دنیا پر ایک عظیم غلبہ حاصل کر لیں گے اور سماء الدنیا پر پرواز کرتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ لیکن واقعات اس ناممکن تصور کو ممکن بنا کر دکھا رہے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا اور اگر غیر قومیں ان کے پیغام کو بزور شمشیر دبانے کی کوشش نہ کرتیں تو ممکن ہے کہ عیسائیت محض بنی اسرائیل تک ہی محدود رہتی سوائے اس کے اپنے ترقی کے سفر کے دوران اپنے دائیں بائیں وقتاً فوقتاً کچھ پک ڈنڈیاں بنا لیتی لیکن لاغلبن انا و رسلی کے اٹل قانون سے جب غیر قوموں نے ٹکر لی تو وہ خائب و خاسر ہو کر کلیۃً مغلوب ہونے پر مجبور کر دی گئیں۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں اور یہ حقیقت اپنی جگہ قائم رہتی ہے اور یہ عہد نامہ جدید سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ عیسائیت ایک محدود قوم اور خاص نسل کے لئے ایک معین وقت تک پیغام حیات مقرر کی گئی تھی اور اس کا مشن فی ذاتہ کبھی بھی عالمی مشن مقرر نہیں ہوا۔ چنانچہ عہدنامہ جدید میں اشارۃً بھی اس بات کا ذکر نہیں ملتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا پیغام کل عالم اور ہر زمانہ کے لئے تھا۔

پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر "رسولاً الی بنی اسرائیل" کو غلبہ کے لئے تین سو سال در کار تھے بلکہ تین سو سال کے بعد بھی غلبہ کامل نہیں ہوا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ غلبے کی تکمیل کے سامان پیدا ہو گئے تو وہ رسول جس کا دعویٰ ہی یہ ہو کہ "یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا" کہ اے بنی نوع انسان! میں تم سب کے لئے خواہ مشرق میں بسنے والے ہو یا مغرب میں، سفید قوموں سے تعلق رکھتے ہو یا سرخ یا گندم گوں یا زرد یا سیاہ فام، میں تم سب کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اتنے بڑے اور عظیم الشان مقصد کے حصول کے لئے اور اس عظیم پیغام کے تمام دنیا پر مکمل طور پر غالب آنے کے لئے تین سو سال کے مقابلہ پر نسبتاً ایک زیادہ لمبا زمانہ مقرر ہونا چاہئے۔ قرآن و حدیث کی طرف جب ہم رہنمائی کے لئے رجوع کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا غلبہ دو ادوار میں منقسم کر دیا گیا ہے

پہلا دور یعنی اسلام کے اولین غلبہ کا دور شان محمدی سے تعلق رکھتا ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر اس وقت تک ممتد ہے جب اسلام کے لئے یہ مقدر تھا کہ اس کے غلبے کی پہلو رورک کر مائل بہ انحطاط ہو جائے گی اور اسلام کو ایسے خطرناک ایام کا منہ دیکھنا پڑے گا جو دنوں کی نسبت راتوں سے زیادہ مشابہ ہوں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی خاص قدرت اور جلوہ نمائی کے ساتھ پھر فضل عظیم لے کر آئے گا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ پھر اپنی ظلی شان میں آخرین (سورہ جمعہ ۳،۴) میں مبعوث کرے گا۔ تاکہ آپ کے نقش قدم پر قدم بقدم چلنے والا مہدی دوبارہ ان کے دلوں کو ایمان سے منور کر دے اور اگر ایمان ثریا تک بھی اٹھ چکا ہو تو ثریا سے اتار کر اس کی شمعیں مسلمانوں کے سینوں میں روشن کر دے۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ انکشاف فرمایا کہ اسلام کو دوسرے تمام ادیان پر غالب کر دیا جائے گا۔ تو ایک صحابیؓ نے سوال کیا کہ ایسا کب ہوگا؟۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ اس وقت ہوگا جب مسیح نازل ہوگا۔ وہ صلیب کو توڑے گا۔ خنزیز کو قتل کرے گا اور حکم اور عدل بن کر (قوموں، مذاہب اور فرقوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے) آئے گا۔

مندرجہ بالا کی روشنی میں یہ صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ مکمل غلبہ سے قبل ہی اسلام کا روبہ تنزل ہو جانا کوئی ایسی علامت نہیں جو اسلام کی آخری شکست اور ناکامی کی غمازی کر رہی ہو بلکہ یہ ایک درمیانی کیفیت ہے جس کا غلبہ سے پہلے ظاہر ہونا شروع ہی سے مقدر تھا۔ جس طرح پہلی قوموں پر اونچ نیچ کے حالات آتے رہے لیکن آخری، قطعی اور اٹل فیصلہ پر اثر انداز نہ ہو سکے اسی طرح اسلام پر انحطاط کا یہ دور خواہ کیسا ہی ہولناک نظر کیوں نہ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چودہ سو سال قبل کی پیشگوئیوں کے مطابق ایک عارضی کیفیت سے بڑھ کر کوئی اور معنی نہیں رکھتا۔ اس کا دور ہو جانا ایک اٹل تقدیر ہے جسے دنیا کو کوئی طاقت تبدیل نہیں کر سکتی۔ پس پہلے ہی سے یہ خبر دے دی گئی تھی کہ اس وقت جب آخرین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظلی بعثت کا وقت آئے گا تو مسلمان کو دوبارہ مسلمان بنایا جائے گا۔ اور عیسائیت پر اسلام کی یورش کا آغاز ایک ایسے فتح نصیب جرنیل کی قیادت میں کیا جائے گا جو مسیحؑ کا نام پا کر جھوٹے صلیبی مذہب کے دلائل کو پارہ پارہ کر دے گا اور مغربی تہذیب کا قلع قمع کرے گا۔ جب ان پیشگوئیوں کی طرف نظر اٹھتی ہے تو دل اس بات پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ جب انحطاط کی خبر لفظاً لفظاً اپنی تمام تفاصیل کے ساتھ پوری ہو گئی تو بلاشبہ ادیان عالم پر ایک عالمی اور کامل غلبہ کی خوش خبری بھی اس کے بعد جلد پوری ہونے والی ہے۔ ایک انگریزی شاعر نے اس مضمون کو ایک مصرعے میں یوں بیان کیا ہے کہ:۔

(If winter comes, can spring be far behind)

یعنی اگر خزاں آگئی ہے تو بہار آنے میں بھلا کیا دیر ہوگی۔

پس جس خبر صادق نے خزاں کے آنے کی خبر دی تھی اس نے بعد میں آنے والی بہار کی بھی تو خوش خبری دی ہے۔ پھر جیسے خزاں کی خبر پوری ہو گئی ویسے ہی بہار کی بھی خبر بہر حال پوری ہو کر رہے گی۔۔

قضائے آسمان است ایں بہر حالت شود پیدا

مذکورہ بالا بحث سے اگرچہ قارئین کو یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ عیسائیت کے تین سو سال کے مقابل پر اسلام کو اپنے مشن کی تکمیل کے لئے اور تمام ادیان پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے کتنی مدت در کار ہے لیکن یہ امر تو بخوبی روشن ہو چکا ہے کہ اس مدت کا تعلق امام مہدیؑ اور مسیح موعودؑ کے ظہور سے ضرور ہے اور امام مہدیؑ اور مسیح موعودؑ کے ظہور کا واقعہ ایک عظیم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے یعنی ایک ایسے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جو اس موڑ پر نصب ہے جہاں سے رفعتوں سے اتر کر تنزل کی طرف جانے والی ایک راہ نے یکدم ایک بلند ہوتی ہوئی شاہراہ میں تبدیل ہو جانا تھا۔ دوسروں کے لئے یعنی ان کے لئے جو مسلمان تو ہیں مگر جماعت احمدیہ سے تعلق نہیں رکھتے یہ مدت غیر معین چلتی چلی آ رہی ہے۔ لیکن احمدی جو ایک ایسے دعویدار پر ایمان لے آئے ہیں۔ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل غلامی میں مہدی زماںؑ اور مسیح موعودؑ ہونے کا دعویٰ کیا ان کے لئے یہ مدت واضح طور پر معین ہو کر سامنے آ چکی ہے اور ان کے نزدیک ظہور اسلام کے بعد چودھویں صدی اسلام کے عالمگیر غلبہ کی تیاری کی صدی ہے۔

اصل مضمون کی طرف واپس آتے ہوئے ایک دفعہ پھر ہم اس سوال کو لیتے ہیں کہ کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین پر یعنی دنیا کے تمام ادیان غیر پر آج تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو غلبہ حاصل نہیں ہوا اور کیوں اس کے باوجود عذاب الٰہی نے انکار کرنے والی قوموں کو ہلاک کر کے ان کا نشان دنیا سے مٹا نہیں دیا؟۔

اس سوال کے دو حصے ہیں اول یہ کہ اسلام کو کیوں دور اول ہی میں غلبہ نصیب نہیں ہوا۔ اس کا ایک جواب تو پہلے گزر چکا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی علاقائی یا قومی نبی نہیں تھے بلکہ آپ کا پیغام تمام دنیا کے لئے تھا اور تمام بنی نوع انسان کو دین واحد پر جمع کرنا آپ کا مقصود تھا۔ اس لحاظ سے کامل غلبہ اسی وقت مقدر ہو سکتا ہے جب دنیا کے ایک ہاتھ پر جمع ہونے کے ظاہری اسباب بھی مہیا ہو چکے ہوں۔ طلوع اسلام کے وقت ابھی یہ سامان مہیا نہ تھے بلکہ خطہ ارض کا ایک وسیع حصہ جسے ہم نئی دنیا کہتے ہیں ابھی تک دریافت نہیں ہوا تھا۔ اس وقت اگر بظاہر معلوم دنیا پر کامل غلبہ ہو بھی جاتا تو قریباً آدھی دنیا ایسی پڑی رہ جاتی جو اسلام کے نور سے نا آشنا رہتی۔ اس کے علاوہ اس زمانے میں مواصلات اور باہمی رابطے کے ایسے ذرائع ابھی ظاہر نہیں ہوئے تھے جن کے نتیجہ میں تمام انسانوں کو ایک عالمی برادری کی صورت میں جمع کیا جا سکتا۔ ان امور کے پیش نظر یقیناً غلبہ آخر کو اس وقت تک انتظار کرنا چاہئے تھا جبکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق فاصلوں کی دوری مٹ جاتی اور پہاڑوں، بیابانوں اور وسیع سمندروں کی قدرتی فصیلیں عملاً اس طرح زائل ہو جاتیں کہ بین الاقوامی روابط کی راہ میں حائل نہ ہو سکتیں۔ اس پہلو سے جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں کثرت سے ایسی پیش گوئیوں کا ذکر پاتے ہیں جس میں انسان کی دور آخر کی ترقیات کا ذکر پایا جاتا ہے۔ کہیں تیز رفتار سواریوں کا ذکر ملتا ہے اور کہیں انسانوں کے باہم ایک دوسرے کے ساتھ مل جانے کا تذکرہ ہے۔ کہیں کتب و رسائل کی بکثرت اشاعت کی پیش گوئی کی گئی ہے جس کے ذریعہ انسان ایک دوسرے کو بآسانی خیالات و نظریات پہنچا سکتا ہے۔ پھر ایسی پیش گوئیاں بھی موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ بعض ایسے سمندر آپس میں ملا دئے جائیں گے جن کے درمیان نزول قرآن کے وقت خشکی کی دیوار حائل تھی۔ ان پیش گوئیوں پر غور کرتے ہوئے انسان طبعاً یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ غلبہ آخر کے وقت سے قبل یہ علامات ظاہر ہو چکی ہونگی یا اس دور میں تیزی کے ساتھ ترقی پذیر ہونگی۔ پس جب بھی انسان ان علامات کو ظاہر ہوتے دیکھے تو اسے توقع رکھنی چاہئے کہ اس امام کا ظہور بھی نزدیک ہے جس نے ادیان باطلہ پر اسلام کو غالب کرنے کی آخری تحریک چلانی تھی۔

سوال کے دوسرے حصے کا تعلق اس بات سے تھا کہ اگر مکمل غلبہ نصیب نہیں ہو سکا تو عذاب الٰہی نے کیوں مخالف قوموں کو نابود نہ کر دیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر غلبہ کے دو ادوار مقدر تھے تو عذاب الٰہی کے بھی دو ہی ادوار مقدر ہونے چاہئیں تھے۔ ایک دور اول اور ایک دور آخر۔ عقل اس بات کو ایک لحظہ کے لئے بھی قبول نہیں کر سکتی کہ آخری غلبہ تو کسی بعد کے زمانے کے لئے مقدر ہو لیکن عذاب الٰہی اس زمانے کا انتظار کئے بغیر قوموں کی صف لپیٹ دے۔ پس غلبہ اس عہد آخر میں مقدر ہے تو عذاب الٰہی کا ایک دور بھی اس آخری زمانے سے منسلک ہونا چاہئے۔ قرآن کریم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے اور متعدد آیات اس طرف دلالت کرتی ہوئی نظر آتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین پر آخری حجت پوری کرنے کے لئے بہت سے نشانات اور عذاب مقدر ہیں جن میں سے بعض کا تعلق آگ سے ہے اور بعض زلزلوں سے مشابہت رکھتے ہیں اور بعض اپنی وسعت اور قوت میں ایسے عظیم الشان ہونگے جو پہاڑوں کی طرح بڑی بڑی عظیم الشان اور قوی ہیکل قوموں کو آن واحد میں ملیامیٹ کر دیں گے اور ان کی عظمتیں خاک میں مل جائیں گی۔ یہاں تک کہ یا تو وہ ایمان لانے پر مجبور

ہوں گے یا عملاً اس دنیا سے نابود کر دیئے جائیں گے۔ غرضیکہ وہ روکیں جو ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت سے محروم رکھے ہوئے تھیں وہ راہ سے ہٹ جائیں گی۔ سورہ طٰہٰ میں اس نوعیت کے عذاب کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان قوموں کو تمثیلی زبان میں پہاڑ قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے:۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا۝
فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا۝
لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا۝
يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۝

(طٰہٰ ۱۰۶ ـ ۱۰۹)

ترجمہ۔ وہ تجھ سے پہاڑوں کے متعلق پوچھتے ہیں تو کہہ دے کہ میرا رب ان کو اکھاڑ کو پھینک دے گا اور ان کو ایک ایسے چٹیل میدان کی صورت میں چھوڑ دے گا کہ نہ تو تو اس میں کوئی موڑ دیکھے گا اور نہ کوئی اونچائی۔ اس دن لوگ پکارنے والے کے پیچھے چل پڑیں گے جس کی تعلیم میں کوئی کجی نہ ہوگی اور رحمٰن (خدا کی آواز) کے مقابلہ میں (انسانوں کی) آوازیں دب جائیں گی۔ پس تو سوائے کھسر پسر کے کچھ نہ سنے گا۔

اس آیت کے مضمون کا تعلق قیامت کبریٰ اور اخروی دنیا کے واقعات سے نہیں بلکہ اسی دنیا کے واقعات سے ہے۔ اگر یہ مراد لی جائے کہ پہاڑوں کا مٹایا جانا اس وقت ہوگا جبکہ ظاہری قیامت آئے گی اور دنیا کی ہر چیز صفحہ ہستی سے معدوم ہو جائے گی۔ تو "یومئذ یتبعون الداعی لا عوج لہٗ" کے کوئی معنی نہیں بنتے کیونکہ اس دن اہل دنیا ایسے بلانے والے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کرنی شروع کر دیں گے۔ جس کے کردار میں اور جس کی تعلیم میں کوئی کجی نہیں۔ ظاہری بات ہے کہ جس وقت ظاہری پہاڑ اڑائے جا رہے ہونگے اور ظاہری زمین چٹیل بنائی جا رہی ہوگی۔ اس وقت بھلا انسان کس شمار میں ہو گا کہ وہ اس قیامت کے درمیان نہ صرف زندہ رہے بلکہ روزمرہ کے معمول کے مطابق اپنے اپنے سیاہ و سفید کا مالک ہو اور جس دین کو چاہے رد کر دے اور جس دین کو چاہے اختیار کرے۔

پس یومئذ یتبعون الداعی کے مضمون نے واضح کر دیا کہ جن پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کیا جانا تھا وہ کوئی ظاہری پہاڑ نہیں بلکہ اسلام کی راہ میں حائل وہ عظیم قومیں ہیں جو پہاڑوں کی طرح قوی ہیکل اور مستحکم نظر آئیں گی اور اسلام کی راہ روکے کھڑی ہونگی۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ بھی پہاڑوں کا ذکر تمثیل کے طور پر آتا ہے لیکن یہاں اس کی تفصیلی بحث کا موقعہ نہیں۔ بہرحال ایک بات تو واضح ہے کہ جن پہاڑوں کے ملیامیٹ کئے جانے کا ذکر ہے ان کے ساتھ اشاعت اسلام کا براہ راست تعلق ہے۔ اس وقت عالم اسلام زبان حال سے یہ سوال کر رہا ہو گا کہ ان پہاڑوں کا کیا بنے گا اور کیسے اسلام ان عظیم قوموں پر غالب آئے گا جو اپنی کثرت کے لحاظ سے بھی مسلمانوں پہ غالب ہیں، دولت کے لحاظ سے بھی اور علمی اور سیاسی برتری کے لحاظ سے بھی۔ پس آج جبکہ ہر حال میں مسلمان ان کا دست نگر ہو چکا ہے یہاں تک کہ ان کی بگڑی اور کرم خوردہ تہذیب کو بھی اپنائے چلا جا رہا ہے تو کیسے اسلام اور اسلامی اقدار ان عظیم قوتوں پر غالب آئیں گی۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اے میرے رسول تو ان سے کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں جیسی سر بلند اور مغرور قوموں کو خاک میں ملا دے گا اور ان کے تکبر کی گردنیں توڑ دے گا۔ وہ ریزہ ریزہ کر کے چٹیل میدان کی طرح زمین کے ساتھ ہموار کر دی جائے گی۔ تب عاجزی اور انکساری کے اس مقام پر اترنے کے بعد وہ اس لائق ہونگی کہ تیری پیروی کریں۔ یعنی تیری اس تعلیم کی پیروی کریں جس میں کوئی سقم اور کج نہیں۔

قرآن کریم میں اور بھی بہت سے مقامات پر جن کا پہلے بھی ذکر گزر چکا ہے ایسے عذابوں کا اشارہ ملتا ہے جن کا دور آخر سے تعلق ہے۔ لیکن اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب چودہ سو سال کے عرصے میں دنیا ان چیزوں کو بھلا بیٹھی اور صدیوں پہلے کی تنبیہات نقش کالعدم کی طرح انسانی ذہنوں سے مٹ چکی ہیں تو پھر کیا اللہ تعالیٰ کا عذاب بغیر کسی تنبیہہ نو کے زمانے کو پکڑے گا؟۔ اس سوال کا جواب بھی عملاً اوپر گزر چکا ہے اور یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ عذاب الٰہی کے نئے دور سے پہلے اس امام کا ظہور مقدر تھا جس نے از سر نو دنیا کو آنے والے کڑے وقت سے خبردار کر دینا تھا۔

یہ خبر کس طرح دی اور آنے والے عذاب کی کیا تفاصیل بیان کیں اور کس حد تک یہ خبریں پوری ہو چکی ہیں اور کس حد تک پورا ہونا ابھی باقی ہیں۔ یہ وہ امور ہیں جن کو ہم آئندہ قسط میں بحث کریں گے۔

جماعت احمدیہ کا یہ دعویٰ کہ اس دنیا کے موجودہ بے پناہ مصائب و تکالیف کا یہ نہ ختم ہوتا ہوا سلسلہ کوئی عام روزمرہ کے واقعات کی زنجیر نہیں بلکہ عذاب الٰہی کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے ہی سے ان امور کے متعلق باخبر کر دیا تھا اور بڑی واضح اور بین پیش گوئیوں کے ذریعے اہل دنیا کو متنبہ کر دیا تھا کہ اسلام کے غلبہ نو کا دور شروع ہو چکا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امن بخش تعلیم کے سامنے دنیا نے سر تسلیم خم نہ کیا تو اللہ تعالیٰ پے در پے عذابوں سے اس دنیا کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر خواب غفلت سے بیدار کرے گا۔ یہ سلسلہ جاری رہے گا اور ختم نہ ہو گا جب تک کہ اسلام کو آخری اور قطعی عالمگیر غلبہ نصیب نہ ہو جائے۔

بقیہ: مصلح موعود کا مصداق

تقدیر اور قدرت سے ہمیشہ آپ کی حفاظت فرماتا رہا اور خدا تعالیٰ کے فرشتے معجزانہ طور پر آپ کی حفاظت پر مامور رہے۔ ذیل میں ان چھ واقعات کی مختصر تفصیل درج ہے یہ واقعات اور ایسی حفاظت غیر معمولی ثبوت ہے کہ فی الواقع آپ کے سر پر خدا کا سایہ تھا۔ اسی سایہ کی برکت سے ہر سازش جو آپ کے قتل کے لئے کی گئی ناکام رہی۔ وللہ الحمد۔

حضرت مصلح موعودؓ نے اس سلسلہ میں ۲۸ دسمبر ۱۹۴۴ء کی تقریر میں پانچ واقعات بیان فرمائے جو حضور ہی کے الفاظ مبارک میں درج کئے جاتے ہیں۔ چھٹا واقعہ ۱۹۴۷ء کے بعد کا ہے جو آخر میں درج ہے۔

ملائی میں زہر

ایک گزشتہ جلسے کا واقعہ ہے میں تقریر کر رہا تھا اور تقریر کرتے کرتے میری عادت ہے کہ میں گرم گرم چائے کے ایک دو گھونٹ پی لیا کرتا ہوں تاکہ گلا درست رہے کہ اسی دوران جلسہ گاہ میں کسی شخص نے ملائی کی ایک پیالی دی اور کہا کہ یہ جلدی سے حضرت صاحب تک پہنچا دیں کیونکہ حضور کو ضعف ہو رہا ہے۔ چنانچہ ایک نے دوسرے کو اور دوسرے نے تیسرے کو اور تیسرے نے چوتھے کو وہ پیالی ہاتھوں ہاتھ پہنچانی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ اسٹیج پر پہنچ گئی۔ اسٹیج پر اتفاقاً کسی شخص کو خیال آ گیا اور اس نے احتیاط کے طور پر ذرا سی ملائی چکھی تو اس کی زبان کٹ گئی۔ تب معلوم ہوا کہ اس میں زہر ملی ہوئی ہے۔ اب اگر وہ ملائی مجھ تک پہنچ جاتی اور میں خدا نخواستہ اسے چکھ لیتا اور کچھ اثر ہوتا یا نہ ہوتا اتنا ضرور تھا کہ تقریر رک جاتی۔

دیسی عیسائی

قادیان میں ایک دفعہ ایک دیسی عیسائی آیا جس کا نام جے میتھیوز تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ مجھے قتل کر دے۔ یہاں سے جب وہ ناکام واپس لوٹا تو اس کا اپنی بیوی سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور اس نے اسے قتل کر دیا۔ اس پر عدالت میں مقدمہ چلا۔ اور اس نے سیشن کورٹ میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ میرا ارادہ اپنی بیوی کے قتل کرنے کا نہیں تھا۔ بلکہ میں مرزا صاحب کو ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ میں نے ایک جگہ کسی مولوی کی تقریر سنی جس نے ذکر کیا کہ قادیان کے مرزا صاحب بہت برے آدمی ہیں۔ اور ان میں یہ یہ برائیاں ہیں۔ میں نے اس تقریر کے بعد فیصلہ کیا کہ میں قادیان جا کر مرزا صاحب کو مار ڈالوں گا۔ چنانچہ میں پستول لے کر قادیان گیا۔ اتفاقاً اس روز جمعہ تھا۔ جمعہ کے خطبہ میں چونکہ بہت لوگ اکٹھے تھے اس لئے مجھے ان پر حملہ کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ دوسرے دن میں نے سنا کہ وہ پھیرو چیچی چلے گئے ہیں۔ میں پستول لے کر ان کے پیچھے پیچھے پھیرو چیچی گیا اور میں نے سمجھا کہ وہاں آسانی سے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکوں گا۔ مگر وہاں بھی میں نے دیکھا کہ ان کے دروازے پر ہر وقت پہرہ دار بیٹھے رہتے ہیں۔ اس لئے میں واپس آ گیا۔ گھر آ کر میرا اپنی بیوی سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور میں نے اسے مار ڈالا۔ یہ سارا واقعہ اس نے عدالت میں خود بیان کیا۔ حالانکہ ہمیں کچھ علم نہ تھا کہ کوئی شخص کس نیت اور ارادہ کے ساتھ ہمارے پاس آیا ہے لیکن ہر موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے حفاظت کی اور اسے حملہ کرنے سے ناکام رکھا۔

پٹھان لڑکے کا ارادہ قتل

احرار کی شورش کے ایام میں میں ایک دن اپنی کوٹھی بیت الحمد میں تھا کہ ایک افغان لڑکا آیا اور اس نے کہلا بھیجا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ میرے چھوٹے بچے اندر آئے اور انہوں نے بتایا کہ ایک لڑکا باہر کھڑا ہے اور وہ ملنا چاہتا ہے۔ میں باہر نکلنے ہی والا تھا کہ میں نے شور کی آواز سنی۔ میں حیران ہوا کہ یہ شور کیسا ہے۔ چنانچہ میں نے دریافت کروایا تو مجھے اطلاع دی گئی کہ یہ لڑکا قتل کے ارادہ سے آیا تھا مگر عبدالاحد صاحب نے اُسے پکڑ لیا اور اس سے انہوں نے چھرا بھی برآمد کر لیا ہے۔ میں نے عبدالاحد سے پوچھا کہ تمہیں کس طرح پتہ لگ گیا کہ یہ قتل کے ارادہ سے آیا ہے؟۔ وہ کہنے لگا کہ یہ لڑکا پٹھان تھا اور ہم پٹھانوں کی عادات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ جب یہ باتیں کر رہا تھا تو اس نے باتیں کرتے کرتے اپنی ٹانگوں کو اس طرح ہلایا کہ میں فوراً سمجھ گیا کہ اس نے چھرا چھپایا ہوا ہے۔ چنانچہ میں نے ہاتھ ڈالا تو چھرا نکل آیا۔ پولیس نے اس پر مقدمہ بھی چلایا تھا اور غالباً اس نے اقرار بھی کیا تھا کہ میں قتل کی نیت سے قادیان آیا تھا۔

[اس موقعہ پر حضور نے فرمایا کہ میجر سید حبیب اللہ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ وہ اس جیلخانہ میں قید تھا جہاں میں افسر لگا ہوا تھا اور وہ کہتا تھا کہ میں پہلے دھرم سالہ تک ان کو قتل کرنے کے لئے گیا تھا مگر مجھے کامیابی نہ ہوئی۔ آخر قادیان گیا اور پکڑا گیا۔]

ام طاہر کے مکان پر کودنا

ایک دفعہ ام طاہر کے مکان کی دیوار پھاند کر ایک شخص اندر کودنا چاہتا تھا کہ لوگوں نے پکڑ لیا۔ پولیس والے چونکہ ہمارے خلاف تھے اس لئے انہوں نے یہ کہہ کر اسے چھوڑ دیا کہ یہ پاگل ہے۔

دودھ میں زہر

کل ہمارے گھر میں دودھ رکھا ہوا تھا کہ میری بیوی کو شبہ پیدا ہوا کہ کسی نے دودھ میں کچھ ڈال دیا ہے۔ چنانچہ اس شبہ کی وجہ سے انہوں نے کہہ دیا کہ اس دودھ کو استعمال نہ کیا جائے۔ ایک دوسری عورت جسے اس کا علم نہ تھا اس نے خیال کیا کہ یہ محض وہم ہے اس نے دودھ پی لیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب تک متواتر قئیں آ رہی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شبہ درست تھا۔

لیکن باوجود اس کے کہ لوگوں نے مجھے ہلاک کرنے کی کئی کوششیں کیں اور ہر رنگ میں زور لگایا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ تھا کہ خدا کا سایہ میرے سر پر ہو گا۔ اس لئے ہمیشہ میری حفاظت کرتا رہا۔ اور اس وقت تک کرتا رہے گا جب تک وہ کام جو میرے سپرد کیا گیا ہے اپنی تکمیل کو نہ پہنچ جائے۔

قاتلانہ حملہ اور خارق عادت رنگ میں خدائی حفاظت

یہ سب واقعات تو ۱۹۴۷ء سے قبل کے ہیں اور متحدہ ہندوستان کے دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ قیام پاکستان کے ابتدائی چار سال میں اس قسم کا کوئی قابل ذکر واقعہ رونما نہیں ہوا۔ مگر خدا تعالیٰ کے ازلی علم میں اس کا یہ نشان بھی مخفی تھا کہ کوئی سازشی ہاتھ حضرت مصلح موعودؓ کو شہید کرنے کے لئے بھرپور وار کرے۔ لیکن خدا کے فرشتے معجزانہ طور پر آپ کو بچالیں۔ خدا کی یہ تقدیر ۱۰ مارچ ۱۹۵۴ء کو پوری ہوئی جب کہ عبدالحمید نامی ایک شخص نے حضور پر قاتلانہ حملہ کیا مگر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل، اپنی قدرت اور اپنی صفت احیاء کا غیر معمولی نظارہ دکھایا اور اس بندہ درگاہ عالی کو خارق عادت رنگ میں بچالیا۔

SUPPLIERS OF CATERING MATERIAL FOR WEDDINGS, PARTIES AND OTHER SOCIAL FUNCTIONS
ABBA
CATERING SUPPLIES
081 574 8275
843 9797

بقیہ: اکرام ضیف

کیونکہ مسلمان ہونے کے لحاظ سے ان کو اہل مدینہ سے ایک مناسبت اور مشابہت ہے کہ یہ لوگ خوشی سے از خود مسلمان ہوئے ہیں۔ جب صبح وفد کے لوگ حضورؐ کے پاس آئے تو رسول اللہؐ نے ان سے پوچھا تمہارے بھائیوں نے تمہارے احترام اور ضیافت میں کوئی کسر اٹھا تو نہیں رکھی؟۔ وفد کے سب لوگوں نے بیک زبان یہی جواب دیا کہ یہ ہمارے بہترین بھائی ثابت ہوئے ہیں۔ انہوں نے ہمارے لئے نرم بستر بچھائے اور نہایت عمدہ کھانوں کا انتظام کیا۔ اور صبح ہوئی تو ہمیں قرآن مجید اور سنت رسولؐ کی باتیں بھی سکھانے لگے۔ آنحضرتؐ کو انصار کا یہ سلوک بہت پسند آیا اور آپ نے خوشی کا اظہار فرمایا۔ پھر آپ نے وفد کے ہر ممبر سے جو جو دینی باتیں اس نے اپنے میزبان سے یاد کی تھیں خود سنیں اور خود بھی کئی باتیں سکھائیں۔

شیخ اعجاز احمد صاحب وفات پاگئے

انتہائی افسوس کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ مکرم شیخ اعجاز احمد صاحب کراچی پاکستان میں وفات پاگئے ہیں۔ آپ شیخ عطا محمد صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صاحبزادے تھے جو علامہ اقبال کے بڑے بھائی تھے۔ شیخ اعجاز احمد صاحب نے ۱۹۳۱ء میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مورخہ ۲۸ جنوری کو مسجد فضل لندن میں بعد نماز جمعہ و عصر ان کی نماز جنازہ غائب پڑھائی۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ میں ان کی وفات کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا:۔

"وہ اللہ کے فضل کے ساتھ بہت ہی پاکباز انسان، بہت ہی مرنجاں مرنج طبیعت، مہمان نواز، خوش اخلاق، اعلیٰ پاکیزہ مجلس لگانے والے تھے۔ چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحبؓ کی صحبت کا ان میں کافی رنگ پایا جاتا تھا۔ چوہدری صاحب کو ان سے بہت پیار تھا۔ آپ نے تحدیث نعمت میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔"

مکرم شیخ صاحب نے ایک نہایت ہی اعلیٰ کتاب علامہ اقبال کے بارے میں لکھی ہے جو "مظلوم اقبال" کے نام سے شائع ہوئی۔

CAN YOU SERIOUSLY AFFORD TO TRAVEL BY AIR WITHOUT FIRST CHECKING OUR PRICES?
PHONE US FOR A QUOTE
061 759 3656
Atlas Travel
493, CHEETHAM HILL ROAD.
MANCHESTER, M8 7HY

AL FAZL INTERNATIONAL WEEKLY -LONDON

ISSN:1352 9587

TELEPHONE NO. 081 870 0919

FAX NO. 081 870 0919

روزنامہ الفضل اور ماہنامہ انصاراللہ

کے خلاف

توہین رسالت کا مقدمہ

پاکستان سے آمدہ اطلاعات کے مطابق ایڈیٹر الفضل مکرم نسیم سیفی صاحب، پبلشر آغا سیف اللہ صاحب اور پرنٹر قاضی منیر احمد صاحب کے خلاف ہوم سیکرٹری پنجاب کے حکم سے دو مقدمات یکے بعد دیگرے مورخہ ۱۵ جنوری اور ۲۱ جنوری ۱۹۹۴ء کو تھانہ ربوہ میں زیر دفعہ سی/ ۲۹۸ درج کئے گئے جن کی وجوہات یہ بیان کی گئیں کہ الفضل کے شماروں میں "احمدیوں کو مسلمان ظاہر کیا گیا ہے" اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں "حضور" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اسی طرح ماہنامہ انصاراللہ کی انتظامیہ مرزا محمد دین صاحب ناز ایڈیٹر، چوہدری محمد ابراہیم صاحب پبلشر اور قاضی منیر احمد صاحب پرنٹر کے خلاف ہوم سیکرٹری کے حکم سے تھانہ ربوہ میں زیر دفعہ سی/۲۹۸ ایک مقدمہ ۱۵ جنوری ۱۹۹۴ء کو درج کیا گیا۔

دوسرا مقدمہ اس سے پیشتر ایک مخالف صوفی نور محمد سکنہ احمد نگر نے ۲۹ دسمبر ۹۳ کو ایڈیٹر، پبلشر اور پرنٹر ماہنامہ انصاراللہ کے علاوہ مسعود احمد مجاہد کے خلاف زیر دفعہ سی/۲۹۸ تھانہ ربوہ میں درج کرایا۔

مورخہ ۷ فروری کو ان تمام مقدمات میں ضمانتوں کی توثیق کی درخواست دی گئی جس پر ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج سید اختر تقی نقوی نے ان کی ضمانتوں کو مسترد کرتے ہوئے اس سب کی گرفتاری کا حکم صادر کر دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اگرچہ پولیس نے دونوں مقدمات میں سی/۲۹۸ کی دفعہ لگائی تھی مگر جج صاحب نے ضمانتیں مسترد کرتے ہوئے تعزیرات پاکستان کی دفعات بی/ ۲۹۸ اور سی/ ۲۹۵ کا اضافہ کر دیا ہے۔ یاد رہے کہ

دفعہ سی/۲۹۵ کے تحت سزا، سزائے موت مقرر ہے۔

احمدی گاؤں کا نمبردار نہیں ہو سکتا

توہین رسالت کا مقدمہ

چک ۱۵ د ب ضلع میانوالی کے ایک احمدی مسلمان ریاض احمد اور ان کے تین عزیزوں کے خلاف ایک مقدمہ زیر دفعہ سی/۲۹۵ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۹۳ء تھانہ پپلاں ضلع میانوالی میں درج کیا گیا تھا۔ تفصیلات کے مطابق چوہدری ریاض احمد صاحب اس گاؤں کے نمبردار ہیں۔ مخالفین نے ڈپٹی کمشنر میانوالی کو ایک درخواست دی ہے جس میں لکھا ہے کہ ایک احمدی گاؤں کا نمبردار نہیں ہو سکتا۔ ڈپٹی کمشنر نے ریاض احمد صاحب کے خلاف فیصلہ دیا جس کے خلاف کمشنر سرگودھا کے پاس اپیل کی گئی کمشنر سرگودھا نے ریاض احمد صاحب کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس پر مخالفین نے ریونیو بورڈ میں اپیل کر دی یہ اپیل ابھی زیر کاروائی ہے

اس کیس کے علاوہ دو احمدی ایک اور وقوعہ میں گواہ ہیں۔

ان حالات کی بنا پر مخالفین نے پولیس سے سازباز کر کے چوہدری ریاض احمد اور ان کے عزیزوں کے خلاف سراسر جھوٹا اور خلاف واقعہ توہین رسالت کا مقدمہ درج کرایا۔ مخالفین نے اپنی درخواست میں لکھا کہ احمدیوں نے کہا ہے کہ "ہمارے نبی کے تین لاکھ معجزات ہیں جبکہ آپ کے نبی کے تین ہزار معجزات ہیں"۔

معلوم ہوا ہے کہ پولیس نے ریاض احمد صاحب اور ان کے ساتھیوں کو ۲۱ نومبر کو ہی حراست میں لے لیا مگر کاغذات میں ۲۳ نومبر ۱۹۹۳ء گرفتاری ظاہر کی گئی ہے۔

ان کی ضمانت کی درخواست دی گئی جو ایڈیشنل سیشن جج نے ۳ جنوری ۱۹۹۴ء کو مسترد کر دی۔

[احباب جماعت سے درخواست ہے کہ ان تمام احمدیوں کو بھی اور دیگر احمدیوں کو بھی جن پر ناجائز مقدمات قائم کئے گئے ہیں ان کو رمضان المبارک میں خاص طور پر اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام احمدی مسلمانوں کو تمام مقدمات سے باعزت رہائی عطا فرمائے اور اپنی حفاظت میں رکھے آمین۔ ادارہ]

رانا ریاض احمد صاحب کو شہید کر دیا گیا

لاہور سے آمدہ اطلاعات کے مطابق مورخہ ۲ فروری ۱۹۹۴ء کو تین بجے شام دس مسلح افراد نے مکرم رانا عبدالستار صاحب ٹاؤن شپ لاہور کے گھر پر دستک دی۔ اور جب رانا صاحب باہر آئے تو انہیں زبردستی اغوا کرنے کی کوشش کی۔ جب ان کے بیٹے ریاض احمد نے انہیں چھڑانے کی کوشش کی تو حملہ آوروں نے ان پر گولی چلا دی۔ گولی رانا ریاض احمد کے سر پر لگی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

حملہ آور ان کے والد عبدالستار صاحب کو اغوا کر کے نامعلوم جگہ پر لے گئے جہاں انہوں نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر انہیں اینٹوں اور ہتھیاروں سے مارنا شروع کیا اور اس وقت تک تشدد کرتے رہے جب تک وہ بے ہوش نہیں ہوئے۔ ہوش میں آنے پر انہوں نے کسی طرح باہر آکر پولیس کو اطلاع دی۔ پولیس انہیں ہسپتال لے گئی ایکسرے سے معلوم ہوا کہ بازو اور ٹانگ کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔

رانا ریاض احمد جن کی عمر چالیس سال تھی تین دن موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد ۵ فروری کو رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ نے اپنے پیچھے اہلیہ، پانچ بچیاں اور تین بیٹے چھوڑے ہیں۔ آپ نے خدام الاحمدیہ میں مختلف عہدوں پر کام کیا۔

معلوم ہوا ہے کہ دو ملزم نبیل غفور طالب علم اقبال میڈیکل کالج اور جمشید طارق طالب علم گرفتار ہو چکے ہیں۔ نبیل غفور کا باپ عبدالغفور اس گروہ کا سرغنہ ہے جو احمدیوں پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ اور اس سے پہلے کئی ایک احمدی طالبعلموں پر حملے کر چکے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ واردات میں جو ٹیکسی استعمال کی گئی وہ چوری کی تھی۔

رانا ریاض احمد شہید کے ایک بھائی ارسال احمد مربی سلسلہ ہیں۔ رانا عبدالستار صاحب پرجوش داعی الی اللہ ہیں۔ رانا ریاض احمد شہید بھی پرجوش داعی الی اللہ تھے اور اکثر اپنے غیراز جماعت دوستوں کو ربوہ لے کر جاتے تھے۔ ایک دوست نے ان کے ذریعہ بیعت بھی کی تھی۔

شہید کی نماز جنازہ ۶ فروری کو مکرم چوہدری حمید نصراللہ صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور نے پڑھائی جس میں ہزاروں لوگ شامل ہوئے۔

احمدی نوجوان احمد نصراللہ خان کو شہید کر دیا گیا

لاہور سے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ مورخہ ۶ فروری ۱۹۹۴ء کو ایک احمدی نوجوان احمد نصراللہ خان کو چند نامعلوم افراد نے تشدد کر کے شہید کر دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ عزیزم احمد مکرم ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب آف آسٹریلیا اور مکرمہ امتہ الحئی صاحبہ بنت سر ظفراللہ خان صاحبؓ کے صاحبزادے تھے۔ تفصیلات کا انتظار ہے۔

ریزیڈنٹ مجسٹریٹ کے حکم سے سپورٹس ریلی بند

ربوہ سے آمدہ اطلاع کے مطابق خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے زیر انتظام ایک سپورٹس ریلی مورخہ ۹ تا ۱۱ فروری ۱۹۹۴ء ہو رہی تھی مگر ۱۰ فروری کو ریزیڈنٹ مجسٹریٹ ربوہ نے ایک تحریری حکم نامہ کے ذریعہ کھیلوں کو بند کرا دیا۔ حکم نامہ میں لکھا ہے کہ کھیلوں کی وجہ سے نقص امن کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

اس لئے فوری طور پر مقابلہ جات بند کرا دئے جائیں تاکہ اندیشہ نقص امن باقی نہ رہے۔

نماز جنازہ غائب

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے بروز جمعہ مورخہ ۱۱ فروری ۱۹۹۴ء مندرجہ ذیل احباب کی نماز جنازہ غائب بعد نماز جمعہ و عصر پڑھائی۔

۱۔ حضرت شیخ مسعود الرحمان صاحب، صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو یکم فروری کو جرمنی میں وفات پاگئے تھے۔ ان کی عمر ۹۹ سال ۲ ماہ تھی۔ آپ ریلوے میں ملازم تھے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد نارنگ منڈی شیخوپورہ میں مقیم ہو گئے تھے اور ۱۹۹۰ سے جرمنی میں اپنے بیٹوں کے پاس مقیم تھے۔

۲۔ مکرم رانا ریاض احمد خان صاحب شہید ابن رانا عبدالستار صاحب ٹاؤن شپ لاہور جن کو ۵ فروری ۱۹۹۴ء کو لاہور میں شہید کر دیا گیا۔

۳۔ مکرم احمد ابن ڈاکٹر اعجاز الحق صاحب جن کو لاہور میں ۶ فروری کو شہید کر دیا گیا۔ مرحوم حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحبؓ کے نواسے تھے۔

الفضل انٹرنیشنل ہمیں کیوں پڑھنا چاہئے

اس لئے کہ

- یہ مرکز سلسلہ اور آپ کے درمیان رابطہ کا ذریعہ ہے۔
- اس کے مطالعہ سے آپ کو روحانی تسکین ہوتی ہے۔
- اس میں درج ملفوظات و ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام و خلفائے احمدیت آپ کے ازدیاد ایمان کا موجب بنتے ہیں۔
- اس میں ہمارے محبوب امام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے خطبات اور خطابات کا مکمل متن شائع ہوتا ہے۔
- یہ اہل علم حضرات کے ٹھوس علمی اور تحقیقی مضامین اور صاحب طرز شعراء کے کلام کے ذریعہ دنیا بھر کی دینی اور اخلاقی تربیت میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔
- یہ ایک روحانی چشمہ ہے جو آپ کو اور آپ کی نسلوں کو روحانی اور علمی سیرابی کا موجب ہے۔ اس سے فائدہ اٹھایئے اور آج ہی الفضل انٹرنیشنل اپنے نام جاری کروایئے۔

کیا ہفتہ وار "الفضل انٹرنیشنل" لندن آپ کو باقاعدہ مل رہا ہے؟ اور کیا آپ اس کا مطالعہ کر رہے ہیں؟ اگر نہیں تو آج ہی حسب ذیل پتہ پر رابطہ کر کے اسے اپنے نام لگوالیں

اخبار کا سالانہ چندہ

برائے برطانیہ = ۲۵ پاؤنڈ

برائے یورپ = ۲۷ پاؤنڈ

برائے امریکہ، کینیڈا و دیگر ممالک = ۳۶ پاؤنڈ

رابطہ کے لئے پتہ:

16 Gressenhall Rd.,
London SW18 5QL,
U.K.

فون: ۰۸۱-۸۷۰۰۹۱۹

فیکس: ۰۸۱-۸۷۰۰۹۱۹

TO ADVERTISE IN THE
AL FAZL INTERNATIONAL
PLEASE CONTACT
NAEEM OSMAN MEMON
ON TELEPHONE
081 874 8902